تاریخ

آثار بنارس

حضرت نوحؑ کے وقت سے لیکر ہندوستان کے قدیم آریائی
عہد تک پھر تقریباً ۵۰۰ قبل مسیح سے بدھوں، ہندوں
مسلمانوں، اور انگریزوں کے آخری
دورِ حکومت تک

بنارس کی تمدنی، علمی، معاشرتی اور سیاسی تاریخ

مرتبہ:
مولانا عبدالسلام نعمانی
ناظم ندوۃ المعارف، بنارس (ہند)

ناشر:
مکتبہ ندوۃ المعارف، بنارس

نقشِ سوم

مطبوعہ

سلیمی پریس، الہ آباد ۳

قیمت ...... -/۲

جنوری ۱۹۶۳ء

فہرست

انتساب

اس کتاب کو اپنے والد ماجد

حضرت مولانا الحاج مفتی محمد ابراہیم صاحب مدظلہ

خطیب جامع مسجد شاہی

کے اسم گرامی سے

معنون کرنے کی عزت حاصل کرتا ہوں

العبد الجانی والمغرور بالامانی:

عبد السلام نعمانی مجددی

۱۴ رمضان المبارک ۱۳۸۲ھ

ندوۃ المعارف، بنارس

صبح بنارس[1]

تعالی اللہ بنارس چشم بد دور | بہشت خرم و فردوس معمور
بیا اے غافل از کیفیت ناز | نگاہے بر پری زادانش انداز
ہمہ جانہاے بے تن کن تماشا | ندارد آب و خاک این جلوہ حاشا
نہاد شان چو بوئے گل گران نیست | ہمہ جان اند جسمے در میان نیست
نفس و خارش گلستان است گوئی | غبارش جوہر جان است گوئی
سوادش پایۂ تخت پرستان | سراپایش زیارتگاہ مستان
عبادت خانۂ ناقوسیان است | ہمانا کعبۂ ہندوستان است
بتانش را ہیولیٰ شعلۂ طور | سراپا نور ایزد چشم بد دور
میانہا نازک و دلہا توانا | ز نادانی بہ کار خویش دانا
تبسم بسکہ در دلہا طبیعی ست | دہن ہا رشک گلہائے ربیعی ست
ادائے یک گلستان جلوہ سرشار | خرامے صد قیامت فتنہ در بار
بہ لطف از موج گوہر نرم رو تر | بہ ناز از خون عاشق گرم رو تر
ز انگیز قد انداز خرامے | بپائے گلبنے گستردہ دامے
ز رنگین جلوہ ہا غارتگر ہوش | بہار بستر و نوروز آغوش
ز تاب جلوۂ خویش آتش افروز | بتان بت پرست و برہمن سوز
بسامان دو عالم گلستان رنگ | ز تاب رخ چراغان لب گنگ
قیامت قامتان مژگان درازان | ز مژگان بر صف دل نیزہ بازان

---

[1] یہ اشعار مرزا غالب کی مثنوی چراغ دیر سے منتخب کیے گئے ہیں۔ عنوان مصنف نے قائم کیا ہے۔

بہ تن سرمایۂ افزائش ... دل | سراپا مژدۂ آسائش دل

بہ مستی موج را فرمودہ آرام | ز نغزی آب را بخشندہ اندام

فتادہ صورتے در ذات آب | زبای صد نقش در سینہ مہتاب

ز بس عرض تماشا می کند گنگ | ز موج آغوش صہبا وا می کند تنگ

ز تاب جلوۂ مہتاب گشتہ
گہرہا در صدف با آب گشتہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرضِ ناشر

آثار بنارس کا دوسرا ایڈیشن اپریل ۱۹۶۵ء میں شائع ہوا اور اب تقریباً ڈھائی سال کے بعد نومبر ۱۹۶۷ء میں تیسرا ایڈیشن مزید ترمیم و اضافہ کے ساتھ شائع ہو رہا ہے۔

کسی کتاب کا تین ایڈیشن نکل جانا، اور ہندوستان و پاکستان کے طول و عرض میں بیک وقت پہونچ جانا اسکی مقبولیت کی ایک دلیل ہے۔

دوسرے ایڈیشن کا کاغذ کچھ معمولی تھا، اب کاغذ عمدہ لگایا گیا ہے، اور یہ ایڈیشن کتابت و طباعت اور کاغذ کے لحاظ سے دوسرے ایڈیشن پر فوقیت رکھتا ہے۔

نور الحق ندوی

ناظم شعبہ مطبوعات ندوۃ المؤلفین بنارس

دیباچہ طبع دوم

"تاریخ آثار بنارس" چھپے ہوئے سات سال ہو چکے ہیں، خدا کا شکر ہے کہ کتابت
طباعت کی غلطیوں اور ظاہری نقائص کے باوجود کتاب نے مقبولیت حاصل کی
عوام و خواص میں اس کا خیر مقدم ہوا، ملک کے طول و عرض میں بنارس کی تاریخی اہمیت
کا چرچا ہوا، اور تقریباً دو ہی ماہ کے اندر اندر اس کا پہلا ایڈیشن ختم ہو گیا،

کتاب کافی عجلت میں شائع کی گئی تھی، اور بہت سے تاریخی واقعات شامل
ہونے سے رہ گئے تھے، اس بنا پر دوسرے ایڈیشن سے پہلے نظر ثانی اور اضافوں
کا اہم کام باقی تھا، حسن اتفاق سے پٹنہ کی خدا بخش اورینٹل لائبریری، دار المصنفین
اعظم گڈھ وغیرہ میں قیام کے مواقع ہاتھ آ گئے، اس بنا پر کتاب میں دل کھول کر نظر ثانی
کا موقع ملا، اور متعدد و مفید اضافے ہو گئے، جس کے نتیجے میں آپ کے ہاتھوں میں تو
دو سو صفحات کی کتاب پہنچ رہی ہے، جبکہ پہلا ایڈیشن صرف ۱۲۸ صفحوں کا تھا،

اس کتاب کی تیاری میں میں جتنی محنتیں صرف ہوئیں ان کا صحیح اندا
لگانا مشکل ہے، میں نے پہلے بھی عرض کیا تھا کہ تاریخ بنارس کا موضوع بڑی محن
اور تلاش و جستجو کا طالب ہے، اور بد قسمتی سے میں صحت اور سکون خاطر دونوں
نعمتوں سے محروم ہوں، بہرحال جیسا کچھ بن پڑا، نت نئے اضافوں، نو
نوٹس اور حوالوں سے کتاب مکمل کر لی، اور کوشش کی ہے کہ اس دوسرے
میں پہلی سی کوتاہیاں نہ رہیں،

توقع ہے کہ یہ نقش ثانی بہرحال نقش اول سے بہتر ثابت ہوگا۔

ع نقاش نقش ثانی بہتر کند ز اول

کتاب کی حیثیت اب صرف تاریخی نہیں ہے بلکہ علمی، ادبی، اور تمدنی تاریخ کی ہے، بد قسمتی سے اب ہندوستان میں عام طور پر جو تاریخیں رائج ہیں ان میں بنارس کا وہ مقام نہیں ہے جو ہونا چاہئے،

ہم نے نو نو سو سال کی تاریخی دستاویزیں کھنگالی ہیں، قدیم علمی ذخیروں کے ہزاروں اوراق الٹے ہیں، عمارتوں کے پرانے کتبے پڑھے ہیں، اور جہاں کہیں سن گن پائی وہاں سے خوشہ چینی کے بعد یہ کتاب مرتب کی ہے، واقعات کی صحت پر پورا اطمینان کرلیا ہے اور اب:

ع من قماش فروش دل صد پارۂ خویشم

کی صدا لگا رہا ہوں، توقع اور یقین ہے کہ اہل ذوق و نظر اس بضاعت مزجاۃ کو پسند فرمائیں گے، اور سمجھوں گا کہ میری محنت ٹھکانے لگی،

سبک زجائے نگیری کہ بس گراں گہر است
متاع من کہ نصیبش مباد ارزانی!

بنارس
اپریل سنہ ۵۹ء

عبد السلام نعمانی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؁

دیباچہ

پانچ ہزار برس یا اس سے بھی زیادہ سال گذرے جب گنگا کے کنارے کا یہ شہر نیم متمدن قوموں کی ایک گنجان آبادی کو اپنی آغوش میں لئے ہوئے تھا، اور اس وقت آریوں نے بحیرہ کیسپین اور ایران کے نواح سے پنجاب ہو کر گنگا اور جمنا کے کنارے آباد ہونا شروع کیا تھا، اور پتہ نہیں یہ شہر کتنی سلطنتوں کو اجڑتے اور بنتے دیکھ چکا تھا، لیکن بنارس ہی کیا؟ خود ہندوستان کے عہد قدیم کی تاریخ تاریکی میں ہے اور ظاہر ہے کہ اس وقت کا تاریخی سرمایہ آج محفوظ نہیں ہے، لیکن تاریخ والوں کا اس بات پر اتفاق ہے اور آثار و قرائن بھی یہی بتلاتے ہیں کہ "بیوسوت منو" یعنی حضرت نوح علیہ السلام کے وقت سے آباد ہے،

"بنارس یا کاشی" ہندوؤں کا زمانہ قدیم سے ایک متبرک شہر ہے، اور ہندو قوم کو "کاشی جی" کی عظمت پر ناز ہے، یہی وجہ ہے کہ ان کی تاریخی روایات چند پارینہ قصوں تک جن کا دارومدار محض عقیدت پر ہے محدود ہیں، اور ان کو تاریخی حیثیت نہیں دی جا سکتی، اور نہ ان سے کوئی تاریخی واقفیت ہو سکتی ہے، اور نہ ایک محتاط تاریخ نگار ان قصوں کو سند کے طور پر پیش کر سکتا ہے،

"کاشی" کی تاریخ کے سلسلے میں ہمارے سامنے صرف "کاشی کھنڈ" ہے جس کا سنسکرت نسخہ "سرسوتی بھون" بنارس میں موجود ہے، اردو ترجمہ بھی چھپا

لیکن ہندوستان کے عہد قدیم کی تاریخ تشنہ ہے ہی۔ تشنہ ہے ہم نے مہاراجہ بنارس کے کتب خانہ رام نگر کے مخطوطات میں ایک فارسی ترجمہ کا نسخہ دیکھا ہے جس میں کچھ کام کی باتیں مل گئیں، اور ان کی صحت پر دوسرے ماخذوں سے اطمینان کر لیا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ۵۰۰ سال قبل کے تاریخی آثار بنارس میں موجود ہیں، جو کھنڈروں، ستونوں، اور لاٹوں کی شکل میں موجود ہیں، جن کو دیکھ کر تاریخ کے سلسلے میں کچھ رہنمائی ہو سکتی ہے، سارناتھ کا میوزیم اس سلسلے میں ایک خاص چیز ہے، یہ واقعہ ہے کہ ہندوستان اپنے عہد قدیم ہی سے ایک مخصوص تہذیب و تمدن کا مرکز رہا ہے، دریائے سندھ کی وادی اور جنوب پنجاب میں ۱۹۲۲ء میں جو آثار قدیمہ زمین سے برآمد ہوئے ہیں ان نے ہندوستان کی تہذیب و تمدن کا نشان بہت اونچا ہو گیا ہے، پیش نظر کتاب صرف بنارس کی تاریخ ہے اور اس کتاب میں حضرت نوحؑ سے لیکر آریوں پھر بودھوں پھر ہندوؤں کے دور کے واقعات لکھے گئے ہیں، پھر مسلمانوں کا زمانہ ان کے بعد شروع ہوا، اور اصل تاریخ اسی ایک ہزار سالہ دور حکومت کی ہے، مسلمان اول اول تو فاتح کی حیثیت سے ہندوستان میں آئے، لیکن عرب ہندوستان کے تعلقات حضرت عیسیٰؑ سے تقریباً ۲۰۰۰ سال پہلے ہی سے ہیں گو فاتح ہونے کی حیثیت سے انھوں نے قدم بعد میں رکھا، اس بنا پر یہ کہنا بھی صحیح نہیں کہ عہد قدیم میں یہاں مسلمانوں کا وجود تھا ہی نہیں۔

آج سے تیرہ سو سال پہلے پہلی صدی ہجری میں اسلامی فتوحات سے پہلے اور بعد کے جو بیرونی سیاح جو ہندوستان آئے انھوں نے بنارس کے تعلق کی دسیاسی حالات کی تصویر کھینچی ہے، اور خاص طور سے تیسری صدی ہجری (نویں صدی عیسوی)

گئے ایسے عرب تاجروں اور سیاحوں کے سفرنامے اور جغرافیہ کی کتابیں موجود ہیں جو ہندوستان میں آتے جاتے رہے امثال کے طور پر چند تاجروں کے نام درج ذیل ہیں،

سلیمان تاجر	سنہ ۲۳۷ھ	ابن خرداذبہ	سنہ ۲۵۰ھ
ابوزید حسن سیرونی	سنہ ۲۶۴ھ	بزرگ بن شہریار	سنہ ۳۰۰ھ
ابودلف مسعر بن مہلہل	سنہ ۳۳۱ھ	مسعودی	سنہ ۳۰۴ھ
اصطخری	سنہ ۳۴۰ھ	ابن حوقل	سنہ ۳۳۱ھ
بشاری مقدسی	سنہ ۳۷۵ھ	البیرونی	سنہ ۴۰۷ھ
ابن بطوطہ	سنہ ۷۷۹ھ	ابومعشر فلکی	

ان سیاحوں میں صرف البیرونی نے بنارس آکر یہاں کا تاریخی جائزہ لیا ہے بقیہ سفرناموں میں جستہ جستہ واقعات ہیں، البیرونی کی کتاب الہند ایک مستقل اور ضخیم تصنیف ہے اس کا ایک نسخہ ہالینڈ سے چھپ کر حال ہی میں آیا ہے، اور میری نظر سے گذر چکا ہے،

سلطنت مغلیہ کے ابتدائی دور ہی سے بنارس کی ایک مخصوص علمی، تمدنی حیثیت قائم ہوئی ہے اور بڑے بڑے علماء و فضلاء اور نامور شعراء و مصنفین پیدا ہوئے، جنھوں نے بنارس کا نام بہت اونچا کر دیا ہے،

جس زمانے میں سلطان فیروز شاہ تغلق نے سریر آرائے سلطنت ہو کر اپنے چچازاد بھائی غیاث الدین تغلق کی یادگار میں سنہ ۷۷۲ھ میں گومتی کے کنارے جون پور آباد کیا تھا اس وقت دہلی سے علماء و مشائخ کی ایک بہت بڑی تعداد جون پور آکر بسی اور دربار شاہی سے ان کیلئے وظیفے مقرر ہو گئے، پورب کے علاقے میں مضافات

جون پور کو نامور علماء اور مشاہیر مصنفین کا علمی مرکز ہونے کی وجہ سے جتنی شہرت حاصل ہے اتنی کسی علاقہ کو نہیں،

پورب کی تشریح کرتے ہوئے ہندوستان کے جلیل القدر عالم اور مشہور مورخ مولانا غلام علی آزاد بلگرامی اپنی کتاب "ماثر الکرام" میں شاہجہاں بادشاہ کے مشہور شاہانہ فقرہ

"پورب شیراز مملکت ما است[1]!"

کو درج کرتے ہیں، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس پورب سے شاہجہاں کو غایت درجہ شغف تھا، پھر ہندوستان کے صرف ایک حصہ "پورب" کے علمی چرچوں کا تذکرہ فرماتے ہیں، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس وقت پورب کے صوبوں میں صوبہ اودھ، صوبہ الہ آباد اور صوبہ عظیم آباد تھے، بنارس اور جونپور عظیم آباد کے صوبے میں شامل تھے، چنانچہ مولانا اپنی کتاب "سبحۃ المرجان فی آثار هندوستان" میں لکھتے ہیں

وعبارۃ عن ثلاث صوب، صوبہ اودہ وصوبہ الہ آباد وصوبہ عظیم آباد،

پورب کا اطلاق تین صوبوں پر ہوتا ہے، صوبہ اودھ صوبہ الہ آباد اور صوبہ عظیم آباد جو اب پٹنہ کے نام سے مشہور ہے

یہ شہادت تو خیر بہت بعد کی ہے، ورنہ اسلامی ہندوستان سے پہلے کے دور میں ان علاقوں کو بڑی مرکزیت حاصل تھی، بنارس اور سارناتھ کے علاقے میں بدھ مت کی قدیم یادگاریں اور وہار (تعلیمی خانقاہیں) ہیں، ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس شہر کو ہر دور میں بڑی مرکزیت حاصل رہی ہے، جیسا کہ اس کتاب کے مطالعہ سے واضح ہوگا،

اس کتاب کے دو حصے ہیں، پہلے حصے کا نام "آثار بنارس" اور دوسرے حصہ کا نام "مشائخ بنارس" ہے، جس میں تقریباً نو سو سال پہلے سے لیکر تیرھویں صدی ہجری کے آخر تک بنارس کے علماء، مصنفین، اور حضرات مشائخ کے حالات ہیں،

---

[1] پورب ہماری سلطنت کا شیراز ہے۔

اس کتاب میں ضمنی طور سے ان کے حالات آگئے ہیں، لیکن ان کا تکملہ دوسری جلد میں کردیا گیا

آج سے تقریباً ۵۰ سال پہلے چودھری نبی احمد سندیلوی رائم، آر، اے، ایس

بنارس والے نے بنارس کی ایک تاریخ "مرقع بنارس" لکھی تھی جو شائع بھی ہو چکی ہے

اور ہماری نظر سے گذر چکی ہے، اور مصنف سے بعض تسامحات بھی ہوئے ہیں، تاہم نقش

اول کی حیثیت سے چودھری صاحب کی یہ خدمت قابل قدر ہے،

لیکن افسوس تو یہ ہے کہ آج تک ہندوستان کی کوئی صحیح اور سچی تاریخ ہی نہیں

لکھی گئی، ہندوستان میں مغلیہ دور حکومت میں بڑی بڑی تاریخ کی کتابیں تصنیف

ہوئیں، لیکن افسوس کہ وہ کتابیں یا تو انگریزوں نے اپنے دور میں مسخ کردیں یا یہاں سے

لیگئے، اور انھوں نے ایسی تاریخیں لکھوائیں کہ ہندو اور مسلمان دونوں اپنے اسلاف

کے کارناموں کو دیکھ کر شرمائیں، اور آپس میں نفرت اور غم وغصہ کی آگ سلگتی رہے، بالآخر

اس "لڑاؤ اور حکومت کرو" کی پالیسی کا یہ نتیجہ نکلا کہ مسلمان اپنے تاریخی ذخیروں سے

محروم ہوگئے، اسی بنا پر علامہ اقبال مرحوم نے کہا تھا،

وہ موتی علم وحکمت کے کتابیں اپنے آبا کی

جو دیکھو ان کو یورپ میں تو دل ہوتا ہے سیپارا

ہم نے انڈیا آفس لندن اور برٹش میوزیم سے ایسی کتابوں کی فہرست حاصل کی ہے

جو ہندوستان سے انگریزوں نے وہاں منتقل کردی ہیں، اور ان سے ہم نے استفادہ بھی کیا ہے

آج کا انگریزی خواں طبقہ تاریخ سے مطلق بے خبر ہے، کالجوں، اور یونیورسٹیوں میں

انگریزوں کے دور کی اندھی تقلید کی جارہی ہے، اور وہی کتابیں نصاب میں بھی داخل ہیں

جن سے فریقین میں آج بھی نفرت اور غم وغصہ کی فضا پیدا ہوتی ہے،

حال ہی کے ایک ممتاز تاریخ نویس ڈاکٹر ایشوری پرشاد ایم اے پروفیسر ہسٹری الہ آباد یونیورسٹی نے اپنی تاریخ میں جو انگریزی مدرسوں کے اوپر کے درجات کیلئے لکھی گئی ہے، ہندوستان کے انصاف پسند شہنشاہ عالمگیر پر ایک زبردست الزام لگایا ہے اور لکھتے ہیں کہ،

"اورنگ زیب نے یہی حکم دیا تھا کہ کوئی اس کے زمانے کے واقعات کا حال نہ لکھے، مگر ایک ہمعصر مسلمان مورخ محمد ہاشم خفیہ طور سے اس زمانے کے حالات لکھتا رہا، اس لئے وہ خافی خاں کہلاتا ہے، اس کی کتاب منتخب اللباب سے اورنگ زیب کے زمانہ کے حالات بہت کچھ معلوم ہوتے ہیں" (تاریخ ہند ص ۲۰۴)

یہ ڈاکٹر صاحب کی تاریخ دانی کا صرف ایک نمونہ پیش کیا گیا ہے جس میں نہ صرف یہ کہ انھوں نے عالمگیر پر الزام لگاکر بدنام کرنے کی کوشش کی ہے، بلکہ اپنی ناواقفیت کا بھی ایک ثبوت دیا ہے، اور خفیہ سے "خافی خاں" نام پڑنے کی وجہ بھی خوب رہی، جو کہ عربی سے ناواقفیت کا ثبوت ہے، اور ستم یہ کہ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال سے جو نسخہ طبع ہوا ہے وہ بھی خافی خاں ہی کے نام سے منسوب ہے، حالانکہ یہ خواف کی طرف منسوب ہے جو کہ نیساپور (خراسان) کا ایک بڑا قصبہ ہے، جس کی بحث آگے ماخذ کی فہرست میں آرہی ہے:

یہ تو ایک "خافی خاں" کی تاریخ کا ذکر تھا، جو ضمنی طور سے نکل آیا، ورنہ عالمگیر ہی کے عہد میں بیسوں تاریخیں ایسی ہیں جو فارسی میں مرتب ہوئیں، اور بھی ہندوؤں نے مرتب کیں جن کے قلمی نسخے "انڈیا آفس" میں موجود ہیں،

اس بحث سے ہم کو یہ دکھانا مقصود ہے کہ تاریخ کا فن اس دور میں "بازیگاہ

طفلاں" بن گیا ہے، ڈاکٹر صاحب ہی نہیں بلکہ جن لوگوں نے بھی تاریخیں مرتب کی ہیں
ان میں اس قسم کی گلکاریاں کی گئی ہیں، جن سے سنجیدہ تاریخ کا وقار مجروح ہو گیا ہے،
ظاہر ہے کہ ان حالات میں قلمی سرمایوں، قیمتی کتابوں، سرکاری رپورٹوں، اور
شاہی دستاویزوں سے فائدہ اٹھانا آسان نہیں ہے، یہ کام کچھ زیادہ مشکل نہ تھا اگر
حالات کسی ایک یا چند کتابوں میں جمع مل جاتے یا کم از کم کتابوں میں آج کے طریقے کے
مطابق انڈکس یا فہرستیں ہوتیں، مگر مولف ان تمام سہولتوں سے یکسر محروم تھا اس
کیلئے اس کے سوا اور کوئی شکل نہ تھی کہ وہ صدہا کتابیں لفظ بلفظ پڑھی جائیں جن سے
بنارس کے متعلق کچھ بھی ملنے کی امید ہو،

اس موقع پر اپنے ان دوستوں کا شکریہ ادا کرنا ضروری ہے جنھوں نے اپنے خاص
ذوق سے مولف کی ہر ممکن مدد کی ہے، جن میں محترم دوست خواجہ افضل امام ایم، اے
ریسرچ اسکالر پٹنہ یونیورسٹی خاص طور سے قابل ذکر ہیں کہ موصوف کے توسط سے مہاراجہ
بنارس کا کتب خانہ نظر سے گذرا اور معتدبہ فائدہ اٹھایا، اپنے عزیز اور مخلص دوست
مولانا ڈاکٹر بشیر احمد صاحب[1] ایف، ایم، بی، ایس، میڈیکل کالج الہ آباد کا مشکور ہوں
کہ ان کی بروقت مستعدی اور ان کے اپنے جمع کردہ مواد اور حوالوں سے بڑی مدد ملی،
ساتھ ہی ساتھ اپنے محترم بزرگوار حضرت مولانا سید شاہ شاہد علی صاحب سبزپوش،
رئیس اعظم گورکھپور و سجادہ نشین خانقاہ رشیدیہ جونپور و آستانہ حضرت مخدوم شاہ
طیب بنارسی کے حق میں دعائے مغفرت کر رہا ہوں (خدا ان کو کروٹ کروٹ جنت
نصیب کرے) کہ ان کے قلمی و نادر کتب خانہ سے خوشہ چینی کی جس کے بغیر کتاب کی ترتیب
ناممکن ہوتی،

[1] افسوس کہ اب ڈاکٹر صاحب ۱۳ نومبر ۱۹۶۱ء کو اس دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں،

ہیچ گہ ذوق طلب از جستجو بازم نداشت
دانہ می چیدم دراں روزے کہ خرمن داشتم

اس کتاب کی تالیف میں جن کتابوں سے مدد لی گئی ہے ان کی پوری تفصیل آگے آرہی ہے، کتاب آپ کے سامنے ہے آپ خود فیصلہ کر سکتے ہیں کہ اس کتاب کی ترتیب میں ہم نے کس قسم کی جدوجہد سے کام لیا ہے، اور اب یہ عہد اسلامی کی ایک ہزار سالہ تاریخ ہو گئی ہے، جو صرف بنارس سے تعلق رکھتی ہے، اور اہم تاریخی مقامات، مسجدوں اور شاہی عمارتوں کی تصویریں بھی لگا دی گئی ہیں، جن سے اس کی افادیت میں اضافہ ہو گیا ہے، اور اب کتاب کے اس موجودہ ایڈیشن کو سابقہ ایڈیشنوں سے یک گونہ بہتر بنانے کی کوشش کی گئی ہے،

ندوۃ المعارف بنارس
دسمبر سنہ ۱۹۵۵ء

عبد السلام نعمانی

ماخذ

وہ کتابیں جن سے استفادہ کیا گیا

۱۔ کتاب الہند (عربی) ۱۰۳۰ء میں ابوریحان البیرونی نے جب ہندوستان کے حصہ بنارس کی سیاحت کی تو یہ سفرنامہ مرتب کیا، کتاب کے دو نسخے انگریزی اردو لندن سے شائع ہوئے ہیں میری نظر سے دونوں نسخے گذرے ہیں بنارس کے جو معمولات اور ان کی تہذیب و تمدن اور طرز معاشرت پر روشنی ڈالی ہے لیکن مسلمانوں کا ذکر نہیں ہے اصلی نام "تحقیق ما للہند" ہے۔ کتاب الہند زیادہ مشہور ہے۔ اس کے اردو ترجمے بھی چھپے ہیں جو انتخاب اور خلاصوں کی شکل میں ہیں۔ لیکن افسوس کہ مترجمین نے اس کے ساتھ بڑا بے رحمانہ سلوک کیا ہے۔

۲۔ سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان: (عربی) آزاد بلگرامی

۳۔ لطائف اشرفی: (فارسی) مرتبہ شیخ نظام یمنی مرید خاص حضرت مخدوم اشرف جہانگیر سمنانی رح، قلمی نسخہ مظہر العلوم بنارس کے کتب خانے میں موجود ہے۔ بنارس کی تاریخ سے متعلق اکثر واقعات ضمنی طور سے آگئے ہیں۔ لیکن بہت سے واقعات غیر مستند ہیں جو الحاق کا نتیجہ ہیں۔ کتاب کا دیباچہ پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل کتاب ورقاً بعد ورق مخدوم صاحب کی خدمت میں پیش کی گئی تھی۔

۴۔ گنج ارشدی: یہ شیخ ارشد جونپوری کے ملفوظات کا فارسی ترجمہ ہے۔ ان کے مرید

شیخ شکر اللہ نے جمع کیا ہے، کتاب ملفوظ کا ملفوظ اور تاریخ کی تاریخ ہے، ترتیب یوں ہے کہ شجرۂ عروجی حضرت بدر الحق سے لیکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام پیران سلاسل کے احوال مفصل درج ہیں، ان کے ضمن میں سلاطین کے حالات اور بنارس کے بھی تاریخی واقعات آگئے ہیں، تقریباً ۴۰۰ سال پہلے یہ کتاب تالیف ہوئی، اور قلمی نسخہ خانقاہ رشیدیہ جونپور میں میری نظر سے گذرا ہے،

۵۔ گنج رشیدی: یہ دیوان عبد الرشید جونپوری خلیفہ حضرت مخدوم شاہ طیب بنارسی کے ملفوظات کا مجموعہ ہے، جس کو آپ کے مرید نصرت جمال خاں ملتانی نے جمع کیا ہے، یہ ملفوظات ۱۰۲۷ھ سے ۱۰۸۳ھ تک کے ہیں، تاریخی واقعات کافی آگئے ہیں، قلمی نسخہ خانقاہ رشیدیہ جونپور میں ہے،

۶۔ کاشی کھنڈ: (ترجمہ فارسی) قلمی نسخہ مہاراجہ بنارس کی اسٹیٹ لائبریری رامنگر میں ہے،

۷۔ عالمگیر نامہ: از منشی محمد کاظم، عالمگیر کے حکم سے ابتدائی دس سال کی تاریخ مرتب ہوئی تھی، لیکن آگے چل کر رک گئی تھی، عالمگیر نے اس بناپر یہ تالیف روک دی کہ حکومت کے زیر سایہ لکھی ہوئی تاریخ، تاریخ نہیں، تاریخ وہی مستند ہے جو دوسرے اہل قلم لکھیں، بہر حال یہ کتاب عرصہ ہوا ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ سے شائع ہوئی ہے،

۸۔ واقعات عالمگیری: (قلمی) مصنفہ امیر خاں، اس میں عالمگیر کی ولادت شاہزادگی اور پھر تخت نشینی سے لیکر شاہجہاں کی وفات تک کے حالات ہیں، اس کا ایک نسخہ کتب خانہ دار المصنفین اعظم گڑھ میں ہے،

۹۔ خلاصہ عالمگیر نامہ: مولفہ عالم خاں یہ عالمگیر نامہ کا خلاصہ ہے، چودھویں سال مرتب ہوا، برٹش میوزیم میں جو نسخہ ہے وہ عالمگیر کے ۴۷ ویں سال حکومت ۱۱۱۵ھ کا مکتوب ہے،

۱۰۔ بلونت نامہ از خیر الدین: راجہ بلونت سنگھ والی ریاست بنارس نے اپنے عہد حکومت از ۱۱۳۱ھ تا ۱۱۸۴ھ کی تاریخ لکھائی ہے، ریاست بنارس کے تاریخی حالات کے ساتھ ساتھ بنارس کے بھی تاریخی واقعات آگئے ہیں قلمی نسخہ ریاست رامنگر بنارس کے کتب خانے میں موجود ہے،

۱۱۔ لب التواریخ ہند مولفہ رائے بندرابن پسر رائے بھارامل:
اس میں مسلمان فرمانروا شہاب الدین غوری ۵۷۴ھ کے عہد سے عالمگیر کے ۳۲ ویں سال حکومت ۱۱۰۱ھ تک کے حالات ہیں عالمگیر کے عہد میں تصنیف ہوئی، اور اس کا ایک نسخہ عہد عالمگیر کے ۴۲ ویں دور حکومت ۱۱۰۹ھ (۱۶۹۷ء) کا لکھا ہوا انڈیا آفس لندن میں موجود ہے،

۱۲۔ تاریخ خوافی (خوافی) خاں: ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ سے یہ نسخہ ٹائپ کے حروف میں طبع ہوا ہے، غلطی سے "خوافی خاں" کے بجائے "خافی خاں" لوح پر اور پوری کتاب میں چھپا ہے، خوافی: خواف کیطرف منسوب ہے جو کہ نیسا پور (خراسان) میں ایک بڑا قصبہ ہے، جیسا کہ معجم البلدان میں ہے،

خواف قصبۃ کبیرۃ من اعمال نیساپور بخراسان، (ج ۳ ص ۴۷۹ مطبوعہ مصر)

خواف: خراسان میں نیساپور کا ایک بڑا قصبہ ہے،

یہی خواف تھا جہاں کے بڑے بڑے علماء، فضلاء، مغل بادشاہوں کے دربار سے وابستہ تھے، مصنف نے خود ہی "منتخب اللباب" میں خواف سے متعلق تفصیلات بیان کی ہیں، اور پوری کتاب میں ہر جگہ خوافی خاں نام لکھا ہے،

۱۳۔ تاریخ مبہقی فارسی: حال ہی میں ایران سے نیا ایڈیشن چھپ کر آیا ہے،

۱۴۔ تاریخ فرشتہ: (فارسی) مطبوعہ نولکشور لکھنؤ، مرتبہ محمد قاسم فرشتہ، (رام نگری ایڈیشن)

میں قلمی نسخہ موجود ہے، جس سے اکثر و بیشتر استفادہ کیا گیا ہے،

۱۵ - ملفوظات فارسی مولانا عبد السبحان رح ۱۲۵۹ھ میں لکھی گئی، بنارس کی اکثر مسجدوں اور شاہی محلوں کی تاریخ ہے، کتب خانہ ندوۃ المعارف میں موجود ہے،

۱۶ - تاریخ صنم کدۂ بنارس (اردو) مصنف کا نام معلوم نہیں لیکن ۱۲۶۵ھ میں جب مہاجنوں سے ایک علمی خاندان بنارس آ کر محلہ پرانی عدالت میں مقیم ہوا تو اسی خاندان کے کسی اہل ذوق نے یہ تاریخ مرتب کر ڈالی، یہ کتاب بنارس کی ایک مستند تاریخ پر مشتمل ہے، اصل کتاب میں تاریخی کتابوں کے حوالے بھی تھے لیکن اصلی نسخہ ضائع ہو چکا ہے، حضرت والد ماجد مدظلہ العالی نے ۱۳۲۰ھ میں یہ کتاب نقل کر کے اپنے کتب خانے میں رکھ چھوڑی تھی اس سے بڑا معتد بہ فائدہ اٹھایا گیا،

۱۷ - چراغ نور تاریخ ظفر آباد و جونپور مولوی سید نور الدین صاحب زیدی ظفر آبادی نے ۱۳۱۱ھ میں مرتب کی، جس میں بنارس کے واقعات بھی ملتے ہیں،

۱۸ - تاریخ راج بنارس حکیم سید مظہر حسن فتح پوری طبیب خاص مہاراجہ بنارس نے ۱۹۱۲ء میں مہاراجہ کے ایما سے ترتیب دی تھی [illegible] سلیمانی پریس بنارس سے چھپی ہے،

OXFORD HISTORY OF INDIA -19

AURANGZEB AND HIS TIMES (ALIGARH) ۲۰

بنارس یا بارانسی

یہ شہر دریائے گنگا کے کنارے کنارے پر ہلالی شکل میں لمبا ہوا ہے اور برنا کے سنگم سے اسی گھاٹ تک تقریباً ۴ میل کی لمبائی میں آباد ہے، برنا اور اسی کے درمیان میں ہونے کی وجہ سے اس کا اصلی نام بارانسی تھا جو بگڑ کر بنارس ہو گیا۔ اب حکومت نے دوبارہ قدامت کی طرف رجوع کیا ہے۔ اور پھر بنارس کا نام بارانسی اور ہندی تلفظ میں وارانسی رکھ دیا گیا ہے۔ اگر اس نام کو پہلے بھی شہرت حاصل نہیں ہو سکی، لیکن زمانہ گذشتہ میں جو تاریخیں مرتب ہوئیں ان میں بھی بنارس کا تذکرہ بارانسی ہی کے نام سے ہے۔
تاریخ نامہ قلمی (موجودہ کتب خانہ دار المصنفین اعظم گڈھ) میں بھی بارانسی ہی کے نام سے تذکرہ ہے، ص ۱۹۲

بنارس کے متعلق مولانا غلام علی آزاد بلگرامی اپنی کتاب سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان میں تحریر فرماتے ہیں کہ،

بنارس بفتح الموحدۃ والنون وآخر رفتح الراء آخرھا سین ساکنۃ بلدۃ عظیمۃ من بلاد فورب وھی معبد للھنود واشھر البقاع عندھم وزیارتھا فی العمر واجبۃ مرۃ عندھم واعتقادھم ان الارض عشرۃ حصص واحدۃ منھا بنارس وتسع منھم الباقیۃ وھذہ الحصۃ الواحدۃ علی حدۃ من الارض مساویۃ للحصص انتہی	لقب بنارس پورب کے شہروں میں سے ایک بڑا شہر ہے، اور وہ ہندوؤں کی عبادت گاہ اور ان کے نزدیک مقدس مقامات میں شامل ہے، اس کی زیارت عمر میں ایک بار ان کے یہاں واجب ہے، اور ان کا اعتقاد ہے کہ زمین کے دس حصے ہیں، جن میں سے ایک حصہ بنارس ہے اور نو حصے اس کے حصہ میں ہیں۔

فی الدرجۃ المعنویۃ وسعھا اللہ تعالیٰ ۔ اور عظمیدہ یہ عصر معنوی اعتبار سے یاقی نوٹنوں
علی سنان رمح وسنانہ ذو تلث شعبا ۔ کے برابر ہے، اور اللہ تعالیٰ نے اسکو ایک
کالصلیب وھذا الرمح حق مھا دیو ۔ نیزے کی نوک پر پھیلا دیا ہے جسکی صلیب کی طرح
تین شاخیں ہیں اور یہ نیزہ مہا دیو جی کا ہے،

محمد آباد: اسلامی دور حکومت میں عالمگیر نے ۱۰۶۹ھ میں اپنے جلوس کے موقع پر یہ نام رکھا تھا اب تک قدیم کاغذات اور قبالہ جات میں محمد آباد عرف بنارس لکھا ہوا موجود ہے، اور اکثر عالمگیر کے وقت کے کتبوں میں یہی نام موجود ہے،

کاشی: یہ بنارس کا بڑا قدیم مگر متبرک نام ہے جو عقیدتمند ہندوؤں میں مشہور ہے، کاشی سنسکرت لفظ کاش سے بنا ہے، جس کے معنی درخشاں اور روشن کے ہیں، ہندوؤں کے عقیدے کے مطابق کاشی سچی معرفت اور نور حاصل کرنے کیلئے ایک بہترین جگہ ہے، جس کی تصدیق اپنشدوں اور وید کی کتابوں میں ہوتی ہے،

یہ تو بہر حال اپنے عقیدے کی بات تھی، کاشی نام پڑنے کی ایک وجہ اور بیان کی جاتی ہے کہ راجہ دیوداس کے خاندان میں راجہ پورن تھا اس کے پڑپوتے راجہ کاش نے اس شہر کو بہت ترقی دی، اسوجہ سے یہ شہر اس کے نام سے مشہور ہو گیا،
راجہ کاش کی حکومت بہت دور تک پھیلی ہوئی تھی، الہ آباد کے قریب پرستھان پور جس کو اب جھونسی کہتے ہیں اس کا قلعہ تھا، اور دار السلطنت بارانسی کے نام سے مشہور تھا، جس کو لوگ بنارس کہنے لگے[1]

کاشی کی خصوصیات زمانہ قدیم میں: زمانہ قدیم سے کاشی ہندوؤں کا ایک مقدس تیرت گاہ ہے اور ہندوستان کے ہر گوشہ سے یاترا کرنے والے عقیدتمند کاشی سے فیضیاب

[1] تاریخ راج بنارس ص ۳۴ ج ا

ہوتے ہیں۔ علوم باطنی کے ساتھ ساتھ علوم ظاہری بھی حاصل کرنے کیلئے دور دراز سے
طلبا آتے تھے، اور ان کے سیکھنے کیلئے بڑے بڑے سنسکرت کے مدرسے تھے۔
افسوس ہے کہ اب ہندوؤں کے پاس ان کے اس طرح کے علمی اور تاریخی تصنیف
ضائع ہو چکے ہیں۔ ویدوں کے اصلی نسخے تو پہلے ہی ضائع ہو گئے تھے۔ اس سلسلے میں ہمیں
کاشی کا زمانہ قدیم تاریخی اور علمی اعتبار سے تاریک نظر آتا ہے۔

تقریباً ایک ہزار سال پہلے عہد اسلامی میں جب ابوریحان البیرونی مشہور سیاح
نے ہندوستان میں قدم رکھا تو کاشی کی عظمت کے قصے سنے، اور اس نے یہاں سالہا
سال قیام کرنے کے بعد مختلف علوم اور سنسکرت کو سیکھا، چنانچہ اس نے اس وقت
یہاں کی زبان کے متعلق بھی لکھا ہے:

ہندی خط بائیں طرف سے چلتا ہے اور مشہور خط کا نام سدھ ماترکا ہے جو کشمیر
کی طرف منسوب ہے اور یہی بنارس میں بھی جاری ہے۔

یہ تو ابوریحان البیرونی کی شہادت ہے، اور اس سے معلوم ہوا کہ بنارس میں آ کر
اس نے سنسکرت کے متعلق بھی اس نے واقفیت حاصل کی، اب بنارس کی مذہبی
عظمت کے سلسلے میں البیرونی کا یہ بیان ملاحظہ ہو:

"ہندوؤں میں متعدد مقامات ہیں جو مذہبی حیثیت سے واجب التعظیم ہیں۔ جیسے شہر
بنارس، ان کے درویش وہاں جا کر مستقل سکونت اختیار کر لیتے ہیں جس طرح کعبہ کے
مجاورین مکہ میں، ان کی تمنا یہ ہوتی ہے کہ ان کی موت بنارس میں ہو تا کہ مرنے کے بعد ان
کی عاقبت اچھی ہو، وہ کہتے ہیں کہ خونریزی کرنے والا مجرم جو گناہ اپنے اوپر اٹھاتا ہے اور جس جرم کی سزا
پاتا ہے لیکن اگر بنارس میں داخل ہو جاتا ہے تو اس کا گناہ معاف ہو جاتا ہے اور بخشا

دیا جاتا ہے، اس کا سبب یہ بیان کرتے ہیں کہ برہما کی صورت چار سر کی ہوتی تھی، برہما اور شنکر یعنی مہادیو کے درمیان کچھ بگاڑ پیدا ہو گیا جس کی وجہ سے لڑائی ہو گئی اور اس قدر بڑھ گئی کہ برہما کا ایک سر اکھڑ کر اس سے جدا ہو گیا۔ اس وقت کا یہ دستور تھا کہ قاتل مقتول کے سر کو ہاتھ میں لے لیتا تھا اور اس کو مقتول کی رسوائی اور اپنی فتح کی علامت کیلئے رکھتا تھا۔ بس برہما کا سر مہادیو کے ہاتھ میں اس طرح آگیا گویا اس کے لگام دے دی گئی، ہے۔ اور وہ مہادیو جس شہر میں جاتا وہ سر اس کے ساتھ رہتا تھا۔ یہاں تک کہ وہ بنارس پہونچا، اور سر اس سے جدا ہو کر غائب ہو گیا۔ (باب ۴۹)

اکبر بادشاہ کے دربار کا مشہور عالم اور مصنف فیضی بھی بنارس آیا اور برہمن بچہ بن کر بنارس کے مشہور ودیالے میں داخل ہو گیا، چونکہ حافظہ تیز تھا، ذہن صاف، فہم مناسب اور طبیعت درست تھی، اس لئے تھوڑے عرصے میں انتہائی تعلیم تک پہونچ گیا، تمام استاد اس کے عمدہ چال چلن اور اعلیٰ قابلیت کی وجہ سے نہایت محبت کیا کرتے تھے؛ جب اس نے وطن جانے کیلئے اپنے شفیق استاد سے اجازت چاہی تو اس نے ایک مہینہ کیلئے اور ٹھہرالیا، اور اپنے گھر میں مشورہ کر کے یہ ارادہ کر لیا کہ اپنی اکلوتی کنیا سے شادی کر دے، جب فیضی سے کہا گیا تو اس نے صاف کہدیا کہ میں اس لڑکی کو ماں جائی بہن سمجھتا ہوں، اور میں خود مسلمان ہوں، استاد یہ سن کر بت کی طرح کھڑا رہا، اور آہ سرد بھر کر کہا کہ تو نے تمام ہندو دھرم کے ساتھ ٹھگا کیا، مگر اب بتا کہ حق استادی کیا ادا کرے گا؟

فیضی نے کہا۔ آپ کیا فرماتے ہیں؟ میں دل و جان سے آپ کی پدرانہ اور استادانہ شفقت و عاطفت کا ممنون و مرہون ہوں، اور میری استطاعت سے باہر کہ

میں آپ کے انعام واحسان کا حق ادا کر سکوں، استاد نے کہا تاہم ایک عہد لینا چاہتا ہوں، فیضی نے کہا ارشاد فرمائیے! استاد نے کہا تو سنسکرت کی کتابوں کا ترجمہ کرے گا! کہا ہاں! استاد نے کہا کہ تجھ سے میں ایک عہد لینا چاہتا ہوں، اور وہ یہ ہے کہ تم گائیتری منتر کا ترجمہ نہ کرنا، قیضی نے اس کا عہد کر لیا، اور اپنے اس عہد پر تاعمر قائم رہا، چنانچہ اس فاضل نے اس منتر کو اسی طرح لکھ کر ترجمہ نہ کرنے کی یہی وجہ تحریر کر دی،

گیارہویں صدی ہجری میں سید نظام الدین بلگرامی نے سنسکرت حاصل کرنے کے لیے بنارس کا سفر کیا، اور یہاں رہ کر اس علم کی تکمیل کی، ایسے ہی چریاکوٹ کے ایک عالم قاضی غلام مخدوم چریاکوٹی کے متعلق تذکرہ علمائے ہند میں ہے،

بعد تکمیل علوم متداولہ تعلم زبان سنسکرت در دلش پدید آمد، تا آنکہ در تحصیل زبان مذکور حظے وافی برگرفت، و بمقام بنارس کہ معدن مہرہ زبان مرقوم است، میان ماہران فن امتیازے کافی یافت، ص ۱۵۵ (تذکرہ علمائے ہند فارسی)

علوم متداولہ کی تکمیل کے بعد ان کے دل میں سنسکرت زبان سیکھنے کا خیال پیدا ہوا یہاں تک کہ اس زبان کے حاصل کرنے میں ایک مکمل حصہ لیا اور بنارس جو کہ مذکورہ زبان کا مرکز تھا اس فن (سنسکرت) کے ماہرین کے درمیان کافی امتیاز حاصل کیا،

تاریخوں میں مشہور فلکی اور ہیئت داں ابو معشر کے بنارس میں آنے کا بھی ذکر ملتا ہے، جس نے بنارس میں دس سال قیام کر کے یہاں کے علم ہیئت کا مطالعہ کیا، ۶۲۷ھ میں وفات پائی، اپنے وقت میں علم نجوم کا امام تھا اکثر تصانیف بھی ہیں،

بنارس کب آباد ہوا؟

بنارس یا کاشی کی قدامت میں کسی کو شبہ نہیں ہے اور تمام مورخین اس بات پر متفق ہیں کہ دنیا کا یہ قدیم شہر ہے، یہاں تک کہ "بوسوت منو" حضرت نوح کے وقت سے آباد ہونا بتایا جاتا ہے، اور تاریخ فرشتہ سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے بنارس کی قدامت کے بارے میں ایک انگریز سیاح لکھتا ہے کہ "اگر یہ معلوم ہو جائے کہ کاشی کب آباد ہوا؟ تو ہمالیہ پہاڑ کے وجود میں آنے کا حال معلوم ہو جائے گا۔"

مصنف تاریخ راج بنارس لکھتے ہیں:-

> جبکہ آریوں نے پنجاب سے نکل کر گنگا اور جمنا کے کنارے آباد ہونا شروع کیا تھا اس وقت بھی یہ شہر قائم تھا، اور یہاں جنگلی قومیں آباد تھیں، جن کو دسیون کہتے ہیں، دسیون کے راجہ دیوداس نے شکست دیکر بنارس کو اپنا دارالحکومت قرار دیا تھا، راجہ دیوداس کا تذکرہ اپنشدوں دکتب خانہ میں آیا ہے، صفحہ ۲ نمبر ج۱

اس بیان کی تائید اور روایات سے بھی ہوتی ہے، مزید برآں جب ہندوستان میں آریوں نے اول اول سات شہر آباد کیے تو ان میں یہ شہر بھی تھا، اگرچہ مختلف اوقات میں مختلف ناموں سے یہ منسوب رہا، مگر کاشی اور بارانسی زیادہ مشہور تھا،

بنارس خطہ اودھ کا قدیم اور قریبی علاقہ تھا، زمانہ قدیم ہی سے قنوج اور اجودھیا بنارس کے ہمسایہ تھے جس کا ثبوت ابوریحان البیرونی کی کتاب الہند سے بھی ملتا ہے، البیرونی نے پہلے تو گنگا اور جمنا کے کناروں کے شہروں کا نام لکھا ہے جہاں آریوں نے آکر

اپنے قدم جائے پھر لکھتا ہے:

واذا اخذت من باری مع گنگ	اور جب تم باری سے گنگا کے ساتھ ساتھ
علی جانبہ الشرقی فان منہ الی	چلو تو یہاں سے اجودھیا تک ۲۵ اور
اجودھ خمسۃ وعشرین والی بنارس	بنارس تک جو کہ ان کے نزدیک مقدس
المعظم عندھم عشرون ثم تنحرف	شہر ہے ۲۰ پھر جنوب کی طرف سے مشرق
عن سمت الجنوب الی الشرق	کتاب ہند اردو - صـ ۹۲

اور یہ بات بھی مسلم ہے کہ پہلے پہل ہندوؤں نے اجودھیا کو اپنا دارالسلطنت قرار دیا، اور قنوج و بنارس بھی اس کے ماتحت تھے،

بنارس اور قنوج ان دونوں شہروں کے متعلق یہ رائے قائم کرنا آسان ہے کہ حضرت نوحؑ اور ان کے بیٹوں نے آباد کیا ہے، یہاں تک کہ تاریخ "خلاصۃ الاحادیث" از شیخ عبدالحق محدث دہلوی میں مذکور ہے کہ خطہ اودھ میں دو ٹیلوں کے درمیان حضرت شیث علیہ السلام کی قبر ہے، جو حضرت نوحؑ کے بیٹے تھے، اور قاضی شہاب الدین دولت آبادی کی کتاب "مورخ البلدان" سے بھی یہ ثابت ہے، مشہور مورخ فرشتہ نے بھی اس کی تائید کی ہے، جیسا کہ اوپر بتایا گیا ہے، واقعات اور روایات کچھ بھی ہوں لیکن بنارس کے قدیم ہونے میں کوئی شبہ نہیں،

اجودھیا میں ایک قبرستان ہے جو نبی نوحؑ کے نام سے مشہور ہے: لوگوں کا کہنا ہے کہ وہاں نوحؑ کے بیٹے ہند کی قبر ہے، لیکن ابھی تک تاریخی ثبوت نہیں مل سکا،

میرا خیال ہے کہ اس سلسلے میں کوئی تاریخی ثبوت تو قطعاً ناممکن ہے، لیکن ہندوستان کی بسنے والی قوموں میں صرف مسلمان ہی ایک ایسی قوم ہے جس کا یہ مذہب اور عقیدہ ہے

کہ وہ حضرت آدمؑ کی اولاد سے ہیں، اور صرف مسلمان ہی کیا بلکہ سارے انسانوں کے
متعلق خواہ وہ دنیا میں کہیں بھی ہوں آدم کی اولاد سے ہیں، قرآن بھی یہی بتاتا ہے،
اسلامی کتابیں بھی یہی بتاتی ہیں کہ حضرت آدمؑ ہندوستان میں اتارے گئے،
اور لنکا جو کہ ہندوستان ہی کا ایک حصہ تھا وہاں آدمؑ کا پہاڑ بھی ہے، اور پلنا سمندر کا
چٹان ہندوستان سے اس کو ملاتی ہے، جس کو آدمؑ کا پل کہتے ہیں،

مولانا غلام علی آزاد بلگرامی نے "سبحۃ المرجان" میں اس طرح کی روایتیں نقل
کی ہیں، اور یہ بھی لکھا ہوا ہے کہ جب آدم جنت سے نکلے تو حجر اسود اپنے ساتھ لائے
اور آج بھی یہ پتھر کعبہ میں لگا ہوا ہے، طوبیٰ جو عربی اور فارسی میں بہشت کا ایک درخت
سمجھا جاتا ہے، ہندوستان کی کئی زبانوں میں بہشت کا نام ہے (قاموس، تاج العروس)
علامہ ابن کثیر دمشقی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں،

ونزل ابنا ادم بالهند ونزل معه	اور آدم ہندوستان میں اترے، اور ان
الحجر الاسود وقبضة من ورق	کے ساتھ حجر اسود اور جنت کے پتوں کا
الجنة فبثه بالهند فنبتت	ایک مٹھا آیا پھر اس کو ہندوستان میں پھیلایا
شجرة الطيب فانما اصل ما يجاء	اور اس سے خوشبو کا درخت اگا، پس ہندوستان
به من الطيب من الهند من	سے جو خوشبو آتی ہے اس کی اصلیت یہ ہے کہ
قبضة الورق التي هبط بها آدم	وہ جنت کے پتا کا مٹھا ہے جو آدم لیکر اترے
وانما قبضها آسفاً على الجنة حين	اور اس کو افسوس کیساتھ لیکر مٹھی میں رکھا
اخرج منها وقال عمران بن عيينة	تھا جبکہ جنت سے نکالے گئے (تفسیر ابن کثیر)
عن عطاء بن عن سعيد بن جبير	بن عیینہ نے عطا بن سعید سے روایت کی

عن ابن عباس قال اهبط آدم بدحنا ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ انھوں نے کہا کہ آدم
بارض الهند الخ (تفسیر ابن کثیر جلد اول ص۸۰) ہندوستان کی زمین دجنا میں اتارے گئے،
(تفسیر ابن کثیر جلد اول ص ۸۰)

یہ تو ابن کثیر کا بیان ہے، لیکن قرآن کی آیات سے تو یہ بھی سمجھا جا سکتا ہے کہ ہندوستان
میں مختلف مقامات پر انبیاء آئے، چنانچہ اولیاء اللہ نے ہندوستان کے مختلف مقامات میں
حضرات انبیاء کی قبریں بطور کشف و الہام اور روحی ملاقات سے معلوم کی ہیں، حضرت مجدد
الف ثانی اور حضرت مرزا مظہر جان جاناں نے اپنی کتابوں میں اس کی تفصیل لکھی ہے،

ان تفصیلات سے ظاہر ہوتا ہے کہ دنیا میں اسلام لیکر حضرت آدم پہلے ہندوستان
میں آئے، اور یہیں ان کی اولاد پھیلی،

مشہور مورخ محمد بن قاسم فرشتہ نے حضرت نوحؑ کے تین بیٹوں کا تذکرہ کیا ہے، سام،
یافث، حام، حام کے بیٹے کا نام ہند تھا، اور اس نے جس سرزمین آباد کی اسکا نام ہند ہے،
یہ روایت قرین قیاس ہے، اور اکثر علماء یہی کہتے ہیں کہ طوفان نوح کے بعد دنیا کے تمام آدمی
حضرت نوحؑ کے تین بیٹوں ہی کی اولاد سے ہیں، حدیث کی کتاب جامع ترمذی سے بھی اسکا
ثبوت ملتا ہے، فرشتہ نے لکھا ہے کہ ہند کے چار بیٹے تھے، پورب، بنگ، دکن، نہروال
راجہ کرشن جی، جو پورب کا بیٹا راجہ کرشن ملک ہند کا پہلا راجہ ہے جس کا دار السلطنت
اجودھیا تھا اور بنارس اس کے زیر حکومت رہا، فرشتہ نے اس موقع پر یہ غلطی دور کرنے
کی کوشش کی ہے کہ یہ کرشن وہ کرشن نہیں ہے جس کی معبودیت کے ہندو قائل ہیں، اور
اس کی بابت اہل ہند نے نادر الوجود قصے اور خلاف قیاس حکایتیں اپنی کتابوں میں نقل
کرکے اسے معبودیت کے مرتبہ پر پہونچا دیا ہے،

راجہ کشن بڑا عالی دماغ، بیدار مغز، اور بہادر نوجوان تھا، عظیم الجثہ ہونے کے باعث کوئی گھوڑا راجہ کشن کا بوجھ نہیں اٹھا سکتا تھا، جب یہ گھوڑے کی سواری سے مجبور ہوا تو اس نے اپنی حکمت عملی اور عاقلانہ تدبیر سے ہاتھی کی سواری اختیار کی، اس سے پہلے ہاتھی کی سواری کا رواج نہ تھا، اس نے اپنے چچا کے لڑکے برہمن کو اپنا وزیر بنایا تھا، یہ بھی بڑا عقلمند تھا، نجاری، دبر ھئی کا کام، آہنگری، لوہاری، لکھنا، پڑھنا اسی کی ایجاد ہے، اس نے ۱۰۰ سال تک حکومت کی، [1]

اس کے بعد راجہ کشن کا لڑکا بہراج ۱۰۰ سال تک گدی نشین رہا، پھر اس کی اولاد میں سے کیشو رلج ۲۲۰ سال تک سلطنت پر قابض رہا، پھر اس کا بڑا لڑکا فیروز رائے ۵۳ سال تک حکومت کرتا رہا،

اس زمانہ میں حضرت نوح کے پرپوتے رستم بن زال بن سام نے ملک ایران سے آکر فیروز رائے پر چڑھائی کی، فیروز رائے خوف سے بھاگ گیا، اور اتفاق سے آخا زمانے میں آکر مرگیا، رستم نے جب فیروز کا مرنا سنا تو ملک ہند کے ایک سردار سمی سورج کو اپنی طرف سے ملک ہند کا راجہ بنادیا، اور خود ایران واپس چلا گیا،

راجہ سورج:- راجہ سورج کا دار السلطنت قنوج تھا، بنارس کی آبادی کی بنیاد اس نے ڈالی، مگر ناتمام رہی، اس نے ۲۵۰ سال تک حکومت کی، بنارس میں سورج کنڈ اسی کی یادگار ہے، لیکن یہ روایت ہندؤں کی زبانی ہے،

راجہ سورج کے بعد اس کا بیٹا بہراج ۳۶ سال تک حکومت پر قابض رہا، شہر بہراج جسے اب بہرائچ کہتے ہیں اسی راجہ نے آباد کیا تھا، بنارس کی آبادی جس کی داغ بیل سورج نے اپنے وقت میں ڈالی تھی اس کی تکمیل بہراج نے اپنے وقت میں کی، [2]

---

[1] پہلے زمانہ میں لوگوں کی عمریں زیادہ ہوتی تھیں [2] تاریخ فرشتہ از ذوطن مم صیدر کی باد گمنی

سلہ

.... پاٹلی پتر ....

سنگھ میں کوئی ذات بھی رخنہ نہ ڈالے، راہب اور راہبات میں سے کوئی بھی اگر سنگھ سے منحرف ہو جائے گا تو اسے سفید کپڑے پہنائے جائیں گے، اور اسے خانقاہ کی جگہ کہیں اور رہنا پڑے گا، یہ حکم بھکشوؤں اور بھکشنوں کے سنگھ میں سنا دیا جاتا ہے، دیوتاؤں کے پیارے کا ارشاد ہے:

اس حکم کی نقل جلسہ عام کی جگہ پر لٹکائی گئی ہے، تاکہ تم اسے آسانی سے دیکھ سکو، اس کی ایک نقل ایسی جگہ رکھو کہ عام عقیدت کیش ہر روزے کے دن آ کر اسے پڑھ سکیں، اور ہر روزے کے دن جگہ پر مہاترا اپنے مرکز پر واپس آتا ہے اسے چاہئے کہ وہ اس حکم کو پڑھے، اور سمجھے اور تم بھی اپنی حدود حکومت تک دورہ کر کے زبانی یہ حکم سناؤ، اور اس طرح تمام قلعہ بند قصبات اور تحصیلوں میں ...... لوگوں کو دورے پر بھیجو تاکہ وہ سب کو یہ حکم سنا دیں۔ سلہ

یہی کتبہ سارناتھ سے بھی برآمد ہوا، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اشوک کے وقت میں بدھ مت کی تبلیغ کا یہ بھی ایک اہم مرکز تھا، سارناتھ میں اشوک کی آٹھویں لاٹ ہے، اور یہاں وہ باغ غزالاں بھی ہے جہاں بدھ نے اپنے چیلوں کو سب سے پہلا وعظ دیا تھا، اور یہاں بدھ عمارتوں کے آثار موجود ہیں، آج کل اس مقام نے ایک بدھ نوآبادی کی شکل اختیار کر لی ہے،

سلہ گو تم بدھ ۔۔۔ بدھ مذہب کی تعلیمات کا ابتدائی مرکز پٹنہ میں قائم ہوا، اور یہ تعلیمی خانقاہیں بکثرت قائم ہو گئیں، اس بنا پر اس علاقے کو "دیہار" کہنے لگے، جو ہندی لفظ ہے، اور اس کے معنی تعلیمی خانقاہ کے ہیں،

نہیں، قرآن پاک میں اس طرح کی تاویلات کرنا ظالموں کے نزدیک بہتر نہیں ہے،

سارناتھ کی تاریخی حیثیت بدھ کے زمانے میں!

سارناتھ جو بنارس کے موجودہ شہر کا اب آخری حصہ بن گیا ہے یہاں سرکاری حکومت کے حکم سے زمین کھود کھود کر تاریخی عمارتوں کے آثار نمایاں کئے جا رہے ہیں، اور زمین کے اندر سے جو فرامین اور کتابیں برآمد ہوئے ہیں ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ بدھ کی تعلیمات کی اشاعت کیلئے ہندوستان کے دور دراز علاقوں کے علاوہ ہندوستان کے باہر تک کے نمائندے گئے تھے،

"بہار" دیہاری کا تلفظ ہے جس میں بنارس اور سارناتھ کا پورا علاقہ شامل تھا یہاں بدھ مذہب کی تعلیمی خانقاہیں تھیں، جن کو ویہار کہتے تھے،[1] اور عجیب بات یہ ہے کہ بخارا جو مشرقی ممالک کا اسلامی اور علمی مرکز تھا وہ بھی اسی "ویہار" کا ایک تلفظ ہے جس کی تصدیق ان سرحدی پٹھانوں کے تلفظ سے ہوتی ہے جو ح کو خ کی شکل میں بولتے ہیں، بلخ کا مشہور تاریخی شہر "نوبہار" بھی بدھ مذہب کی ایک خانقاہ کا نام تھا،

ساکیہ منی کا مقبرہ: بدھ مذہب کے پیشوا شاکیہ منی جب مر گئے تو اس کی یادگار میں ایک عالیشان مقبرہ گنبد کی شکل میں تعمیر ہوا جو سارناتھ میں "دھمکوا" کے نام سے آج بھی مشہور ہے، اس گنبد کی موجودہ اونچائی ۹۰ فٹ اور چوڑائی ۳۰۰ فٹ ہے، اس کی تعمیر کا واقعہ کتابوں میں یہ پایا جاتا ہے کہ سن عیسوی سے ۲۴۲ سال

---

[1] بہار میں ہندوستان قدیم کا سب سے بڑا مرکز "نالندہ" تھا، اب گورنمنٹ نے راجگیر کے پاس ان کھنڈرات کو نمایاں کیا ہے، یہ بدھ کا بہت بڑا مدرسہ تھا، بہرحال اسی مدرسہ نیز دوسرے ذیلی مدارس کی بناپر "بہار" نام ہوا،

قبل جب شاکیہ منی (ایشیا بدھ) نے رحلت کی تو بدھ دھرم کے ماننے والوں کی یہ خواہش ہوئی کہ شاکیہ منی کو اپنے راج کی سرزمین میں لے جا کر عبادت گاہ بنا دی جائے ۔اس خواہش پر اختلاف رائے ہوا ، اور راجاؤں میں خوب لڑائی اور کشت وخون ہوا ، اور آخرکار یہ طے پایا کہ شاکیہ منی کی لاش کو جلا کر ہڈی اور راکھ کو ایک ڈبہ میں بند کر کے اس طرح کا ایک گنبد بنا دیا جائے ، ہندوستان کے جن دوسرے شہروں میں اس طرح کا گنبد ہے اس کو اسی واقعہ کی یادگار سمجھنا چاہئے ،

آج سے تقریباً ۱۰۰ برس پہلے مسٹر جیمس پرنسپل سابق گورنمنٹ کالج نے اس گنبد کو کھدوایا تھا ، تو ایک ڈبہ جس میں ہڈی اور راکھ تھی دستیاب ہوا ، اور سونے چاندی کے کچھ برتن بھی ملے ، اور زمانہ کے کچھ سکے دستیاب ہوئے ، جس میں اس زمانہ کے مروجہ حروف بھی کندہ تھے ، جو پڑھے نہیں جا سکے ، یہ چیزیں گورنمنٹ کالج بنارس میں رکھی ہوئی ہیں ،

سارناتھ میں زمین کے اندر سے جو سکے ، تاریخی نوادر ، اس زمانہ کے برتن ، اور مورتیاں ، کتبات برآمد ہوئے ہیں وہ وہاں کے میوزیم (عجائب گھر) میں موجود ہیں ، اور ہر وقت دیکھے جا سکتے ہیں ،

اشوک کا ستون : سارناتھ کے تاریخی نوادر میں سب سے اہم اشوک کا ستون ہے ، جس میں چاروں طرف چار شیر منقش ہیں ، یہ بھی اشوک ہی کے دور حکومت کی یادگار ہے ، بعض مورخین کا خیال ہے کہ یہ یونانی کاریگروں کا بنایا ہوا ہے ، اس کی تصدیق یوں بھی ہوتی ہے کہ اشوک کے دور حکومت میں یونانی بادشاہوں سے کافی ربط ضبط تھا ، اب انڈین یونین نے اشوک کے اسی ٹکڑے کو قومی نشان بنا لیا ہے ،

اور اب ہندوستان کے تمام سکوں، نوٹوں، ڈاک کے تمام ٹکٹوں اور سرکاری عمارتوں میں اسی ستون کی تصویر ہے جو اشوک کے عدل و انصاف، نیکی و ہم دوستی کا آئینہ دار ہے، یہ ستون سارناتھ کے عجائب گھر میں نصب ہے۔

اشوک کے اس ستون اور چٹانوں کے کتبات کو چھوڑ کر وہ مینار یا لاٹیں جن پر کتبے کندہ کیے گئے ہیں، ہندوستان کی قدیم سنگ تراشی کا بہترین نمونہ ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اشوک کے عہد میں پتھر سے عمارتی کام لینے کا خوب رواج ہو گیا تھا۔

گنبد ہمایوں: سارناتھ کے قدیم آثار میں گنبد ہمایوں ایک قابل دید چیز ہے، جس کو اب سیتا کی رسوئی کہا جاتا ہے اکثر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ عمارت بھی اشوک کے عہد سے تعلق رکھتی ہے، حالانکہ یہ بالکل غلط ہے، یہ اسلامی دور حکومت میں سنہ ۹۹۶ھ کی تعمیر ہے جو ہمایوں کے خادم خاص گوبردھن نے ہمایوں کی یادگار میں تعمیر کرایا، اور یہیں ہمایوں نے آکر شکست پر جلوہ کیا تھا، یہ گنبد ایک پہاڑی نما ٹیلے پر کافی بلندی پر واقع ہے اور بنارس میں اس سے اونچی کوئی عمارت نہیں ہے، اس گنبد کی عمارت کے دروازے پر یہ کتبہ لگا ہے۔

چوں ہمایوں شاہ جنت آشیانی — ہمایوں بادشاہ ہفت کشور
بروزے آمد بر تخت نشست — ازاں شد مطلع نور خورشید انور
گوبردھن بندہ را آمد میسر — غلام خانہ زاد شاہ اکبر
کہ سازد چنگلی بہر تمسک — سما گنبدے چوں چرخ اخضر
بود شش صد و نہ و نود و شش — کہ آید ایں بنائے خوب منظر

اشوک کے عہدِ حکومت کا زوال!

اشوک کے سن وفات کا صحیح پتہ نہیں چلتا اور نہ اس کے وارثوں کا حال معلوم ہے، لیکن قیاس کا تقاضا ہے کہ یہ نامور بادشاہ ۲۳۶ سال قبل مسیح میں فوت ہوا ہے، اس کے مرنے کے بعد موریا خاندان کو (جس میں اشوک تھا) زوال آ گیا، اور تقریباً ۲۰۰ سال تک سنگا اور کانو خاندان کے راجاؤں نے حکومت کی۔

اشوک ایک نہایت ہی نیک دل اور بدھ مذہب کا شیدائی بادشاہ تھا، اور جس زمانہ میں اشوک دنیا کو اہنسا، امن اور بے آزاری کا وعظ سنا رہا تھا، اس کے مغربی ہمسایہ ملک میں خونریزی ہو رہی تھی، اور یونانی سلاطین اپنی نئی نئی سلطنتیں بنا رہے تھے، سیلوکس یونانی کا پوتا انتیوکس تھا جو شام و عراق و باختر میں اپنے دادا کا وارث ہوا، باختر ان دنوں بدخشاں اور شمالی مشرقی افغانستان پر مشتمل تھا، دوسری طرف پارتھیا خراسان کی ایک جنگجو قبائل کی قیادت میں یونانی تسلط سے آزاد ہو گئے، اور اس نے دولت اشکانیہ کی بنیاد ڈالی۔

باختر کے یونانیوں نے کابل و قندھار پر اور پھر مختلف مغربی علاقوں پر قدم جمایا، اور ان کے مزید آگے بڑھنے کا سراغ مل سکتا ہے، ان علاقوں سے جو سکے برآمد ہوئے ہیں ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہاں ۱۵۰ سنہ قبل مسیح سے چند دوسری اور پہلی صدی قبل مسیح کئی نیم یونانی ریاستیں تھیں، جو خود مختاری کا دعویٰ کر رہی تھیں، بدھ اور ہندو مت کی قدیم کتابوں میں ان حملہ آوروں کا یونان کا یونا کے نام سے تذکرہ آیا ہے؛ مگر ان کی تاریخی تحریر محفوظ نہیں رہی، تاہم فنون عمارت و سنگ تراشی

اور دوسری مضمونوں کے آثار باقی رہ گئے ہیں، ان ہی نیم یونانی بادشاہوں کے زمانے میں ایران کے اشکانی بادشاہوں نے قندھار، بلوچستان بلکہ موجودہ سرحد پر قبضہ کر لیا، اور ان کا ایک صوبہ دار ٹکسلا میں مقرر ہوا،

لیکن پہلی صدی قبل مسیح میں وسط ایشیا سے یوچی اور سکا قوموں کا ٹڈی دل آیا اور ترکستان سے یونانیوں کو یوچیوں نے نابود کیا، اور مشرقی ایران و مکران پر سکا قوم قابض ہو گئی، سجستان اور آخری سیستان اسی عہد کی یادگار ہے، یہی قوم سندھ کے راستے سے گجرات اور مالوہ تک بڑھ گئی، اور صدیوں تک یہ صوبے اس کے زیر حکومت رہے، اور تقریباً سنہ ۵۰ قبل مسیح میں ایک زبردست سلطنت قائم کی، جس کا پایۂ تخت پرش پور (پشاور) تھا، اور ترکستان، افغانستان مغربی ہندوستان کے علاوہ شمالی ہند کے صوبے شہر بنارس تک اس کے زیر نگیں ہو گئے تھے،

کنشک | اس میں مہاراج کنشک اور اس کے لڑکے ہوشک دونوں بڑے طاقتور بادشاہ گذرے ہیں، زیادہ شہرت کنشک کی ہے کیونکہ وہ بدھ فن کا مربی اور بدھ مذہب کا سرپرست تھا، کنشک ۴۰ برس حکومت کر کے سنہ ۱۶۲ء کے قریب فوت ہوا، اور اس کے بیٹے کے بعد اس خاندان کی قوت میں زوال آگیا، سلطنت کئی آزاد سلطنتوں میں بٹ گئی، اور چوتھی صدی عیسوی تک یہی کیفیت رہی،

چندر گپت ثانی | لیکن چوتھی صدی عیسوی میں مگدھ کی سلطنت نے دوبارہ عروج حاصل کر لیا، اور خاندان موریہ کے بانی کی طرح اس نئے شاہی خاندان کے بانی کا نام بھی چندر گپت تھا، یہ خاندان پہلے سے موجود تھا، مگر حکومت بالکل محدود تھی،

سلطنت کا مرتبہ چندر گپت کے عہد میں نصیب ہوا جس نے پٹنہ سے لیکر الہ آباد تک اپنا علاقہ بڑھایا، بنارس بھی اس میں شامل ہوگیا، چندر گپت ثانی نے اپنے نام کا سمبت جاری کیا، جو فروری ۳۲۰ء سے شروع ہوتا ہے، اور کئی صدیوں تک شمالی ہندوستان میں جاری رہا، مگر چندر گپت سے زیادہ اس کے بیٹے سمندر گپت نے پائی جس کا نام اور اس کے کچھ حالات ایک لاٹ پر کندہ ملے ہیں،

بکرماجیت علم و ادب کی قدردانی میں سمندر گپت کا بیٹا بکرماجیت اپنے باپ سے بڑھ گیا، اور اس کے دور میں سنسکرت ادب کو کمال ارتقا نصیب ہوا، پرانوں کا مجموعہ مرتب ہوا، ہیئت اور ہندسہ پر آریہ بھٹ نے اعلیٰ درجہ کی کتابیں تصنیف کیں، اور ہندوستان کے زندۂ جاوید شاعر کالی داس نے قریب قریب اسی زمانہ میں اپنی لاجواب تمثیلات پیش کیں،

کالی داس بعض روایات کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کالی داس بکرماجیت کے نورتن کا ایک ہیرا تھا،

راجہ بکرماجیت کے نام سے دوبارہ سمبت بکرمی جاری ہوا جو سنہ عیسوی سے ۵۷ سال پہلے ہے، بکرماجیت نے اپنے دور حکومت میں ہندوستان کی ایک عظیم الشان سلطنت کی بنیاد ڈالی، اس دور میں بدھ مذہب کو زوال ہوا اور برہمنی مت کو نیا عروج حاصل ہوا، اور قدیم سنسکرت زندہ ہوئی، تہذیب و تمدن کو ارتقا نصیب ہوا، سنگ تراشی و نقاشی میں کمال پیدا ہوا، اجین اور قلعہ دہار کی تعمیر اسی کے عہد میں ہوئی،

راجہ بکرماجیت کی مدت حکومت کے بارے میں بہت سی روایتیں ہیں، مگر

فرشتہ مورخ کے نزدیک ایک بھی صحیح نہیں اَردشیر بابکان اس راجہ کا ہمعصر تھا،
اور بعض مورخین شاپور کا ہمعصر بتاتے ہیں۔ (تاریخ فرشتہ ص ۱۹)
راجہ بکرماجیت کے عہد میں سالباہن زمین دار دکن نے حملہ کیا اور نربدا
کے کنارے لڑائی ہوئی آخر بکرماجیت شکست کھا کر مارا گیا۔
افسوس ہے کہ چندر گپت ثانی کے خاندان کے ان راجاؤں کے واقعات زندگی
اور سنین بلکہ ناموں تک کا ٹھیک ٹھیک پتہ نہیں چلتا لیکن مجموعی طور پر یہی تیسری
چوتھی عیسوی کا زمانہ ہندوؤں کا زریں عہد کہا جاتا ہے جس میں فنون لطیفہ اور صناعات
نے بڑی ترقی پائی، نقاشی میں اجنتا کے مندروں اور غاروں کی تصاویر اور الورہ
کے چند کوہ تراش دیول اسی عہد کی یادگار ہیں۔

چینی سیاح فاہیان چندر گپت کا یہ زریں عہد بھی تاریخ کی نظر میں تاریک ہے،
لیکن ہمعصر ایک چینی سیاح کی شہادت تاریخی رہنمائی کرتی ہے، یہ فاہیان کا
سفر نامہ ہے، جو بدھ مت کے مقدس مقامات کی زیارت اور کتابوں کی تلاش
میں دیوار چین کے پار سے چلا اور کوہ و صحرا طے کرتا ہوا افغانستان پہونچا، پھر
وادی سندھ سے گذر کر سنہ ۴۰۰ء کے قریب ہندوستان میں داخل ہوا، اور
دس برس اس مذہبی اقلیم میں مختلف مقامات کی زیارت و سیاحت کرتا رہا،
لنکا جا کر اس نے بودھ مذہب کی کئی کتابوں کی نقل حاصل کی،
فاہیان نے اس دور کے سیاسی حالات بالکل نہیں لکھے ہیں، راجاؤں
تک کے نام ذکر نہیں کیے ہیں، صرف بدھ مت کی تاریخ، ان کی کیفیت اور ان کی تعلیمات
کے متعلق نشان دہی کی ہے، اس نے بدھ مت کی خانقاہوں کو بارونق

پایا، جن میں ہزاروں بھکشو اپنے مذہب کی تعلیم و تربیت کرتے تھے۔
فاہیان چینی نے بنارس کا تذکرہ بھی لکھا ہے، اور اس دور میں بنارس کی مذہبی خانقاہوں کی تفصیل بیان کی ہے۔

راجہ بکرماجیت کے بعد کے دوسرے فرمانروا

راجہ بکرماجیت کے مرنے کے بعد سلطنت کو زوال آگیا، اور مختلف راجاؤں نے اپنی اپنی حکومتیں قائم کیں، جن راجاؤں کی تفصیل حسب ذیل درج ذیل ہے۔

شمار	راجہ کا نام	مدت حکومت	کیفیت
۱	راجہ بھوج	۵۰ سال	قوم پوار سے تھا، شہر کھرگون، بیجاپور قصبہ سنڈیا اسی کے وقت میں آباد ہوا۔
۲	راجہ باسدیو	۷۰ سال	دار السلطنت قنوج تھا، اسی راجہ کے عہد میں بہرام گور تاجرانہ لباس میں سلطنت ہندوستان اور اہل ہند کے اوضاع واطوار دریافت کرنے کی غرض سے ہندوستان آیا تھا، ناجہ کالپی اور قنوج اسی راجہ نے تعمیر کرائے۔
۳	راجہ رام دیو		راجہ باسدیو کا سپہ سالار تھا، قنوج پر قابض ہوا۔
۴	راجہ پرتاب چند سنسودیہ		رام دیو کے سپہ سالاروں میں تھا۔

شمار	راجہ کا نام	مدت حکومت	کیفیت
			نوشیرواں عادل شاہ ایران نے ۵۲۶ء میں اس پر چڑھائی کی، آخرکار تصفیہ خراج کے بعد پلٹ گیا، اس راجہ کی وفات کے بعد راؤں نے سر اٹھایا، اور اکثر اطراف سلطنت پر قابض
۵	راجہ جیتو		بنارس میں تھوڑے ہی دن اس نے حکومت کی، محلہ جیت پورہ اسی کے نام سے موسوم
۶	راجہ بین		تھوڑے ہی دنوں کے بعد بنارس کا حکمراں ہو گیا تھا، اہیر کی قوم سے تعلق رکھتا تھا، بنیا تالاب کی تعمیر اس کے وقت میں ہوئی
۷	راجہ بھولی		مقام بھولی آباد کرکے اسی کو دارالسلطنت بنایا
۸	راجہ کرن		راجہ بھولی کے بعد حکمراں ہوا، کرن گھنٹہ اسی کے نام سے بنارس میں مشہور ہے،
۹	راجہ بدھ سین		اس نے خاص بنارس کو اپنا دارالسلطنت بنایا، اس راجہ کے عہد میں مسلمانوں کی جا بجا بستیاں آباد ہونا شروع ہو گئی تھیں،

بنارس عہد اسلامی میں
سنہ ۵۷۱ء سے قبل اور مابعد

اب تک آپ نے حضرت نوح علیہ السلام کے وقت سے آریوں، بدھوں اور پھر ہندؤں کے دور حکومت پر ایک نظر ڈال لی، لیکن اس ضمن میں ابتک بنارس سے مسلمانوں کی وابستگی کا ذکر نہیں آیا، گو ہندوستان میں مسلمانوں کا قدم آچکا تھا، اور ابھی یہ بتایا گیا کہ راجہ بدھ سین کے دور حکومت میں مسلمانوں کی بستیاں آباد ہونا شروع ہو چکی تھیں،

سنہ ۵۷۱ء کا زمانہ تاریخ کا ایک یادگار زمانہ ہے، اسی سنہ میں ۲۲ را پریل کو آقائے نامدار تاجدار دو عالم جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں تشریف لائے، اور اس آفتاب رسالت کی کرنیں دنیا کے چپہ چپہ پر پڑیں، بالآخر ہند بھی مشرف ہوا، گو مسلمانوں کا پہلے پہل فاتحانہ حیثیت سے قدم حضرت عمرؓ کے دور حکومت میں آیا،

ہندوستان میں اس وقت عجیب سیاسی کشمکش تھی، جس کا تذکرہ گذشتہ صفحات پر آپ پڑھ چکے ہیں، ہندؤں کی چھوٹی چھوٹی ریاستیں ملک کے طول وعرض میں خانہ جنگیوں میں سرگرم تھیں،

ہندوستان میں اسلام کا پیام پہونچا، اور سندھ کی راہ سے سرحد کے مغربی دروں کو پار کرکے پھر سندھ کے بحری وبری راستوں سے مسلمانوں کی آمد کا سلسلہ جاری ہوا،

ہندوستان میں اسلام پہونچنے کا ایک بڑا سبب "معجزہ شق القمر" تھا، جو مکہ میں پیش آیا تھا، ظاہر ہے کہ یہ کوئی ایسی چیز تو نہیں تھی کہ صرف عرب ہی والے اس کو دیکھتے، ہندوستان کے باشندوں کے تذکروں میں اس معجزے کا بھی ذکر آتا ہے، اور تاریخ فرشتہ میں مذکور ہے کہ ہندوستان کا ایک راجہ [illegible] کے اسلام لانے کا سبب بھی چاند کے دو ٹکڑے ہونے کا معجزہ تھا، جو اس نے رات کو اپنے محل سے دیکھا تھا، مواقیت کے فن کی روشنی میں حساب لگا لینے کے بعد یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اس وقت ہندوستان میں ۱۲ بجکر [illegible] منٹ رات کا وقت تھا، طحاوی اور علامہ ابن کثیر دمشقی نے اس واقعہ کے تواتر کا دعویٰ کیا ہے، تاریخ میں راجہ داہر والی سندھ کے درباری راجہ رتن کا بھی ذکر موجود ہے، جو اس واقعہ کی تصدیق کیلئے عرب بھیجے گئے تھے، اور وہاں سے اس واقعہ کی تصدیق کر کے اسلام لائے اور ان کا مزار بھٹنڈے میں موجود ہے،

بہرحال واقعات یہی بتاتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی ہی میں ہندوستان اسلام کی شعاعوں سے منور ہو چکا تھا، جہاں تک قصے کہانیوں کا تعلق ہے قصص الانبیاء کی اکثر کتابوں میں لکھا ہے کہ حضرت آدمؑ جنت سے اتارے گئے تو لنکا (ہندوستان کے جنوبی جزیرے) میں، جیسا کہ پہلے بھی لکھا جا چکا ہے کہ سارا ہندوستان ابتدائے آفرینش ہی سے اسلام کی فطرت پر ہے، اور اسی لئے قرآن نے شہادت دی ہے کہ

وما کان الناس الا امۃ واحدۃ (یونس) — اور لوگ صرف ایک ہی قوم تھے،

اس لئے حضرت آدم اور ان کی اولاد بھی اسلام کے پیرو تھے، حضرت مرزا

مظہر جان جاناں فرماتے ہیں:

"خلاصہ یہ کہ قدیم زمانہ سے یہ ملک بھی مذہب اسلام کا گہوارہ رہا ہے، لہٰذا صحیح اور یقیناً صحیح ہے کہ بحیثیت مذہب ابتدا ہی سے یہ ملک اسلام کا وطن ہے، "(مکتوبات)

جس طرح آریوں کے قبیلے ہندوستان کے مختلف علاقوں میں اور مختلف اوقات میں آئے، اسی طرح عربوں اور ترکوں کے قافلے بھی جو اسلام قبول کر چکے تھے، اول اول ہندوستان میں داخل ہوئے، اور یہاں مسلمانوں کی حکومت قائم ہونے سے پہلے ہی بس گئے تھے، مسلمانوں کی یہ پرامن آبادیاں جنوبی اور شمالی ہندوستان میں قائم ہوئیں، جن میں بنارس بھی شامل تھا،

اور جب مسلمانوں نے پہلی مرتبہ اس ملک میں قدم رکھا تو شودر خاندان کا تاجدار سہراس رائے سندھ میں حکومت کرتا رہا جو راجہ ہرش کا ہمعصر تھا، اور عربوں کی لڑائی میں مارا گیا، اس کے بیٹے ساہسی نے عربوں کے مقابلہ کی تیاری کی، بالآخر وہ بھی جنگ میں مارا گیا، اس کے بعد برہمنوں کا ایک خاندان برسرِ حکومت آگیا، اس کا مورث چچ راجہ ساہسی کا وزیر تھا جو گدی خالی پاکر قابض ہوگیا، راجہ داہر اسی کا بیٹا تھا جس کے زمانے میں عربوں نے سندھ کی فتح کی تکمیل کی، اور ۱۰۲۹ء میں محمود غزنوی کے ہاتھوں میں جانے کے پہلے تک یہاں عربوں کی منظم حکومت قائم رہی،

یہ سب تو فتوحات کا ذکر تھا جو مسلمان عربوں کی ہیں اب ایک نظر ان تعلقات پر بھی آپ فرمائیے جو عرب اور ہندوستان کے درمیان زمانہ قدیم سے رہے ہیں، ہندوستان میں عربوں کی فتوحات کی تقریب سے تعلقات کا ذکر ناگزیر ہے،

عرب اور ہندوستان کے تعلقات

عرب اور ہندوستان کے تعلقات کا سراغ پچھلے زمانے میں ۲۰۰۰ق م
تک مل چکا ہے جب تجارتی قافلے بحر عرب سے بحر ہند میں آتے تھے یہی وجہ ہے کہ
عربی زبان میں سنسکرت کے الفاظ مثلاً قرنفل (لونگ) کافور، زنجبیل (سونٹھ)
صندل، نارجیل (ناریل)، قرنفل (لونگ) جائفل وغیرہ عہد قدیم میں داخل ہوئے،
اسی طرح عود ھندی، تمر ھندی (املی) قسط ھندی اور مھند (ہندوستانی
تلوار) سے ہندوستان کی طرف نسبت ظاہر ہوتی ہے، یورپ میں جن ہندسوں کو عربی کہتے ہیں
وہ ہندوستان میں ایجاد ہوئے یہی وجہ ہے کہ اب بھی عربی میں ان کو الرقوم الھندیہ
(ہندوستانی ہندسے) کہتے ہیں، پھر یہ بھی ایک اہم بات ہے کہ ان دونوں ملکوں میں
علمی تعلقات بھی قائم تھے ۸۰۰ قبل مسیح تک ہندوستان میں لکھنے کا رواج نہ
تھا، عرب تاجروں کے ذریعہ آرامی خط ہندوستان پہونچا چنانچہ اس وقت کے کتبات
جو ہندوستان میں روپیہ اور اکاصر خاندان کے برآمد ہوئے ہیں وہ ان ہی حروف میں تھے،
ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد کے بعد ایک نئی تہذیب اور نئے تمدن سے
آشنا ہوا اس وقت کی مسلم آبادیاں لنکا، مالدیپ، مالابار، ٹراونکور، کارومنڈل، گجرات
بمبئی اور سندھ کے ساحلی علاقوں میں قائم ہوئیں اگر اس زمانہ کے ہندو آج کے مقابلے
میں بہت زیادہ کٹر تھے لیکن آپس کے میل جول سے ان میں بڑے خوشگوار تعلقات
پیدا ہوئے، ایک دوسرے کو سمجھنے اور باہم معاشرتی تعلقات برتنے اور ایک دوسرے

کی قدیم تہذیب و تمدن اور علم و فن میں ایک دوسرے کی ترقیوں سے آگاہ ہونے کا موقع ملا، بلخ کے نوبہار (بدھ کی تعلیمی خانقاہ) کے پجاری برمک پرمکھ نے اسلام قبول کرلیا تھا، اور عباسی خلفاء کے دربار میں ۱۳۲ھ سے ۱۸۶ھ تک وہ وزارت کے اہم منصبوں پر فائز رہے، اور ملکی نظم و نسق کی باگ ان کے ہاتھوں میں رہی، اور انہی کی تحریک سے سنسکرت کتابوں کے ترجمہ کیلئے ہندوستان کے اہل علم بغداد بلائے گئے، اور بے شمار کتابوں کے عربی ترجمے ہوئے، مہابھارت کے قصے، اصول شاستر (حکمت)، فلسفہ، نجوم، ہیئت، جوتش، جفر، رمل، موسیقی، کیمیا، منتر، جادو، ٹونا، بیتال کہانی اور اخلاق و حکمت وغیرہ کے عربی ترجمے کئے گئے، بہت سے اصل سنسکرت کتابوں کے نسخے ناپید ہیں،

اس موقعہ پر بنارس کی یہ خصوصیت قابل ذکر ہے کہ آیورویدک (علم طب) کی ابتدا بنارس ہی سے ہوئی، اور ہندو اپنے عقیدے کے مطابق اس علم کو الہامی مانتے ہیں، اس کی تاریخ یہ ہے کہ برہما نے سب سے پہلے یہ علم سیکھا، اور ان سے دکھش پرجاپتی نے اس علم کو سیکھا، اور دکھش سے اشونی کماروں نے، اور اشونی کماروں سے اندر نے یہ علم سیکھا، چنانچہ وہ دونوں اس علم میں ایسے لائق و فائق ہوگئے کہ وہ دونوں دیوتاؤں کے حکیم مانے جاتے تھے، پھر انھوں نے مہاراج اندر کو یہ علم سکھایا، اور ان کے زمانے میں اس علم کو بڑا عروج حاصل ہوا، لیکن جب کچھ مدت کے بعد اس علم کو زوال آگیا تو بہت سے رشی سخت پریشان ہوئے، آخر انھوں نے باہم مشورہ کرکے بھاردواج رشی سے یہ خواہش کی کہ وہ مہاراج اندر سے علم سیکھ کر اس کا پرچار کریں، چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا، اور مہاراج اندر سے آیورویدک علم سیکھ کر سب رشیوں کو سکھایا،

آریوں کے بیان کے مطابق موجودہ مصر قدیم آریوں ہی کی آبادی ہے۔ اور تنترک دیوتا مہیل سنگھندی (سیاہ کنٹھی والا) نے ملک مصر میں نیل تنتر کی (ایک مخفی علم جو قدیم ہندوؤں کو معلوم تھا) تعلیم دی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ۳۲۰ سال قبل چرک فاضل منی دشدہ کا بیٹا ایک نہایت مشہور و اعلیٰ ترین ہندو طبیب ہوا ہے۔ جو بنارس ہی کا رہنے والا تھا۔ ہندو اس کو سر یشش یعنی ہزار سر والے سرپ دیوتا ر سانپ دیوتا) کا جو کہ تمام علوم خصوصاً علم وید کا سرچشمہ خیال کیا جاتا ہے۔ اوتار سمجھتے ہیں۔

مہاراج اندر کے شاگردوں کے بعد جب اس علم کو زوال ہوا تو مہا رشی چرک نے راجہ اندر کے شاگردوں کی طبی تصنیفات کا مطالعہ کر کے چرک سنگھتا نام کی ایک کتاب بنائی۔ جو اس علم کی نہایت مستند اور قدیم کتاب مانی جاتی ہے۔

چرک کے بعد بنارس کے مہاراجہ دیوداس یا دہن دنتر تھا حضرت عیسیٰ سے تقریباً آٹھ سو برس پہلے ہوئے۔ جن کے بہت سے شاگرد ہوئے۔ جن میں سے سشرت (دل لگا کر سننے والا) ان کا شاگرد رشید ہوا۔ اور اس نے سشرت سنگھتا کے نام سے علم وید پر ایک نہایت عمدہ کتاب لکھی تھی۔ جس کا ترجمہ بغداد کے خلیفہ ہارون رشید نے عربی میں کرایا۔ اور اسی زمانے میں چرک سنگھتا کا بھی عربی میں ترجمہ ہوا۔ پنچ تنتر کا بھی اسی دور میں ترجمہ ہوا۔ جو اب کلیلہ دمنہ کے نام سے شائع ہوئی ہے۔

اور اسی زمانے میں سید مسعود غازی کے رفیق کار ملک فیصل علوی بنارس اور اس کے گرد و نواح میں تبلیغی کاموں میں مصروف تھے،

مسلمانوں کا یہ تبلیغی جتھا بنارس میں قیام پذیر ہوا، اور بنارس میں پہلی مرتبہ مسلم آبادی قائم ہو گئی، اور بنارس شمالی ہندوستان کا سب سے زیادہ نمایاں اور ممتاز علاقہ تھا جو اسلام کے زیر سایہ آگیا، اور بالآخر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ پیشین گوئی پوری ہو کر رہی جو مسند احمد بن حنبل ج ۲ صفحہ ۳۶۹ اور نسائی طبع مصر صفحہ ۴۲ ج ۲ میں آئی ہے:

عن ابی هریرة قال وعدنا	ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے وعدہ فرمایا
غزوة الهند (بالفاظہ بیہقی)	کہ مسلمان ہندوستان میں غزوہ کریں گے

حدیث کے آخری الفاظ یہ ہیں کہ "اس میں جو مسلمان مارے جائیں گے وہ تمام شہیدوں سے افضل ہوں گے"، امام احمدؒ جنہوں نے حدیث مذکور اپنی کتاب میں درج کی ہے ان کی وفات ۲۴۱ھ میں ہوئی ہے، یعنی حدیث مذکور کے درج کتاب ہونے کے ۱۵۲ سال کے بعد اور امام نسائیؒ کی وفات ۳۰۳ھ میں واقع ہوئی، یعنی اشاعت حدیث کے ۹۰ برس کے بعد یہ پیشین گوئی ۳۹۲ھ میں پوری ہوئی، اسی سن میں سلطان محمود غزنوی نے ہندوستان پر حملہ کیا، اور جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ اس حملہ کے معاً ہی بعد بنارس تک کا علاقہ مسلمانوں کے زیر نگیں آگیا،

غزنی کی اس حکومت میں ترک امیروں کی بدا لئے کو اتنا دخل تھا کہ اس حکومت "کو ترک شاہی" کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے،

سلطان ناصر الدین کے بعد سبکتگین کے بعد وہ موروثی یا خاندانی ضرور بن گئی، سلطان محمود کی جانشینی کا جھگڑا اس کے فرزندوں میں برپا ہوا، اور بالآخر مسعود کے حق میں فیصلہ ہوا، یہ بادشاہ زیادہ تر شمالی ہندوستان کی ہمسایہ حکومتوں سے الجھا رہا، تاہم اس کے عہد حکومت ۴۲۳ھ تا ۴۳۲ھ (۱۰۳۱ء تا ۱۰۴۱ء) میں ہندوستان میں دو بڑے حملے ہوئے، پہلا حملہ سپہ سالار احمد نیالتگین کی یلغار تھی، جس میں وہ دریائے گنگا کے کنارے کنارے بنارس تک بڑھا، اور ۴۲۴ھ مطابق ۱۰۳۳ء میں اس دولت مند شہر کو لوٹ کر واپس ہوا۔ [1]

مسجد دو نیم کنگرہ کی تعمیر

۴۲۵ھ مطابق ۱۰۷۱ بکرمی میں احمد نیالتگین کے حملہ کے بعد بنارس میں مسلمانوں کی نوآبادیاں قائم ہوگئیں، اور اسی سن میں مسجد دو نیم کنگرہ جو اب عوام میں ڈھائی کنگرہ کے نام سے موسوم ہے تعمیر ہوئی، تاریخی نام "مسجد دو نیم کنگرہ" ہے، جس سے تعمیر کا سال ۴۲۵ھ[2] نکلتا ہے، آج بھی یہ مسجد اپنی پوری عظمت و جلال کے ساتھ قائم ہے، اور شہر کی بڑی ممتاز اور سنگین عمارت ہے،

مسجد میں داخل ہونے کیلئے ایک سنگین دروازہ موجود ہے، جو کہ محراب نما ہے، جس پر کلمہ کھدا ہوا ہے، مسجد کی اندرونی محراب میں بھی آیتیں کھدی ہوئی ہیں، مسجد کی بیرونی دیوار میں ایک کتبہ تھا جو اب ضائع ہو چکا ہے،

اس زمانے میں دہلی کے مہاراجہ پرتھی راج سے جو تومر خاندان کا آخری راجہ تھا اس کے چچازاد بھائی راجہ جے چند سے نفاق پیدا ہوا، راجہ جے چند نے اپنی مدد کیلئے سلطان محمود غزنوی کو بلایا جس کے نتیجے میں تھانیسر کا میدان کارزار گرم ہوا، پرتھی راج مارا گیا،

[1] تاریخ بیہقی ص [illegible] مطبوعہ طہران (ایران)

اور سلطان محمود غزنوی دہلی پر قبضہ کرکے دوسرے سال پھر راجہ جے چند کی سلطنت پر بھی قابض ہوگیا اور بنارس تک فوج کشی کرتا ہوا شمالی ہند کے ممالک فتح کرنے کے بعد واپس ہوا، اور اپنے غلام شاہ قطب الدین ایبک کو ۱۱۹۴ء سنہ (۵۹۱ھ) میں دار السلطنت دہلی کا تخت نشین بنایا، اس زمانے میں ۱۵۲۶ء سنہ تک غلامان تغلق خلجی، سید، لودھی وغیرہ خاندانوں کے سلاطین سلطنت پر قابض رہے،

سارناتھ کی زمین سے جو کتبے برآمد ہوئے ہیں، ان سے پتہ چلتا ہے کہ ۱۰۲۶ء سنہ (۴۱۷ھ) میں بنارس کا تعلق کچھ دنوں تک راجہ مہیپال سے تھا مگر اس کی نوعیت معلوم نہ ہو سکی،

دوسرے کتبات سے ظاہر ہوتا ہے کہ ۱۰۴۳ء سنہ (۴۳۵ھ) سے ۱۱۵۶ء سنہ (۵۴۸ھ) تک بنارس قنوج کے راجاؤں کی سلطنت میں داخل تھا، مہاراج گوبند چندر کے بعد ان کے بیٹے چندر پھر جے چند حکمراں رہا، ۱۱۹۴ء سنہ (۵۹۱ھ) میں شاہ شہاب الدین غوری راجہ جے چند والی قنوج کو شکست دیکر قنوج و بنارس پر قابض ہوا، اس کے بعد غزنی روانہ ہوا، اور اپنے مملوک و گورنر ہندوستان قطب الدین ایبک کو ہدایت کر گیا کہ وقتاً فوقتاً ہندوستان میں جہاد کرتا رہے، چنانچہ اس ہدایت کے مطابق قطب الدین ایبک نے اکثر مقامات پر بغرض جہاد فوج کشی کی اور کامیاب ہوا، راجہ جے چند والی بنارس کو اس سے خطرہ پیدا ہوا،

راجہ جے چند والی بنارس — یہ راجہ ہندوستان کے دوسرے راجاؤں کے مقابلے میں ایک ممتاز شہرت کا مالک تھا، جس کی حکومت مشرق میں حدود چین تک پھیلی ہوئی تھی، مغرب میں لاہور کے قریب تک اس کی سلطنت کا اثر پہنچا ہوا تھا، قنوج وغیرہ بھی اس کے مفتوحات میں سے تھے، ان شہروں میں سلطان محمود ہی کے زمانہ سے اسلام کی تخم ریزی شروع ہو گئی تھی، اور مسلمانوں

کی آبادی بھی قائم ہو چکی تھی، راجہ بنارس نے ان مسلمانوں کو بھی اپنی فوج میں شامل کر لیا تھا، اور پوری آن، بان اور شان و شوکت سے بڑی فوج لیکر ۵۹۰ھ میں شہاب الدین غوری کے مقبوضات کیطرف بڑھا، اور دریائے ماحون پر (جو دریائے دجلہ کا ہمرتبہ ہے) دونوں فریق نے لڑائی کی، سخت خونریزی اور جنگ ہوئی، لشکر اسلام پوری طاقت اور استقلال سے لڑتا رہا، بالآخر فتح نصیب ہوئی، اور مخالفین کا لشکر پامال ہوا،

راجہ بنار والی بنارس

اس واقعہ کے بعد جبکہ سلطان شہاب الدین غوری غزنی کیطرف مطمئن ہو کر لوٹ چکا تھا اور بنارس سلطان قطب الدین ایبک کے ماتحت تھا، راجہ جے چند کی وفات ہوئی، اور اس کے بعد اسکا لڑکا قنوج سے بھاگ کر بنارس آیا اور یہاں گہرواڑ راجاؤں کی حکومت کی بنیاد ڈالی، اس قوم کا آخری راجہ "راجہ بنار" ہوا، اس کا دار السلطنت خاص بنارس تھا، گنگا اور برنا کے سنگم پر اس کے قلعہ کے نشانات اب بھی شکستہ حالت میں موجود ہیں،

اس راجہ نے بنارس کو بہت ترقی دی، اس بنا پر بعض مورخین موجودہ بنارس کو اسی بنار راجہ سے منسوب کرتے ہیں، مگر یہ صحیح نہیں ہے، جیسا کہ بنارس کی قدامت کے بارے میں گذشتہ صفحات میں تفصیل سے بتایا گیا ہے،

سید سالار مسعود غازی کا تبلیغی قافلہ

ابھی بتایا گیا ہے کہ بنارس میں مسجد دو نیم کنگرہ کی تعمیر ہوئی اور اس کے ضمن میں مسلم نوآبادیاں قائم ہوئیں، اور پھر سلطان محمود غزنوی کے حکم سے ۴۱۵ھ میں اجمیر

سے کامل بیگ مہم پر گئے،

سالار شاہو [illegible] میں قندھار اور ٹھٹھو کی راہ سے اجمیر آئے تھے، اور سالار مسعود غازی کی پیدائش یہیں اجمیر میں ۴۰۵ھ ۱۰۱۴ء میں ہوئی تھی، یہ سلطان محمود غزنوی کے بھانجہ تھے،

جب محمود غزنوی سومنات کی مشہور مہم میں ہندوستان آیا تو سالار شاہو نے بھی اپنے نو عمر لڑکے سالار مسعود کو لیکر اس میں شرکت کی، اس زمانے میں ہندوستان میں صوفیائے کرام اور مبلغین کے ذریعہ اسلام کی اشاعت کی خدمت انجام پا رہی تھی،

سالار مسعود اپنے ماموں کے ہمراہ غزنی جا چکے تھے، لیکن وہاں کے سیاسی حالات ناموافق نظر آئے، اور محمود غزنوی کی زندگی کا آخری دور تھا، سالار مسعود کے اقبال کا آفتاب طلوع ہونے کو تھا، سالار مسعود نے غزنی پایۂ تخت میں قیام نامناسب سمجھا، دین حق کی خدمت اور اشاعت کا جذبہ پیدا ہوا، اس لئے محمود سے اجازت لیکر نیم تبلیغی نیم فوجی مہم پر ہندوستان سے غزنی روانہ ہو گئے، غزنی سے پہلے اجمیر آئے اور اپنے والد سالار ساہو سے ملاقات کرکے اپنے ہمراہیوں کیساتھ اپنے مشن پر چل پڑے، چنانچہ مختلف مقامات پر پہنچے، شیوپور، ملتان، اوچھ، اجودھن، دہلی، میرٹھ، گڈھ مکتیشر، سنبھل، قنوج، کڑا مانک پور، بلگرام، ستر کو وغیرہ مقامات میں تبلیغی سرگرمیاں جاری رہیں، مختلف راجاؤں نے ان کا مقابلہ بھی کیا، لیکن یہ فتح یاب ہوتے گئے، اسلامی بستیاں جو کچھ پہلے سے قائم تھیں ان کی خبر گیری کی، اور نئے آباد کاروں کو بسایا، اور آگے بڑھتے گئے، یہاں تک کہ بہرائچ پہونچ گئے، جہاں تک وہ خود نہ پہونچ سکے وہاں اپنے سپہ سالار اور نمائندے بھیجے،

سپہ سالار ملک افضل علوی!

تقریباً سنہ ۴۲۱ھ مطابق سنہ ۱۰۳۰ء میں سپہ سالار مسعود غازی (غازی میاں) نے اپنے سپہ سالار ملک افضل علوی کو بنارس اور اس کے نواح میں اسی تبلیغ و اشاعت کی مہم پر بھیجی، ملک افضل علوی کے ہمراہ بہت سے لشکری آئے جو بنارس میں شہید ہوئے، مرتب گنج ارشدی مسعود غازی کے حالات میں لکھتے ہیں،

ملک افضل علوی را بطرف بنارس و نواحی آں بخدمت نمودند آنجا بہ درجہ بدرجہ شہادت رسیدند، مقابر آنہا در آنجا مشہور اند۔ ص ۱۰۹۴ (قلمی نسخہ خانقاہ رشیدیہ جون پور)

ملک افضل علوی کو بنارس اور اس کے نواح میں تبلیغ کیلئے بھیجا، اس مقام پر وہ لوگ شہادت کے درجہ پر پہونچے، ان شہیدوں کی قبریں اب تک موجود ہیں، اور اس مقام پر مشہور ہیں،

قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ یہ لوگ راجہ بنار والی بنارس (جس کا تذکرہ ابھی ہو چکا ہے) کے مقابلے میں بنارس آئے، اور یہیں لڑکر شہید ہوئے، جیسا کہ مرتب تاریخ صنم کدہ بنارس کے بیان سے معلوم ہوتا ہے، راجہ بنار کا قلعہ گنگا اور برنا کے سنگم پر آج بھی موجود ہے، اور آثار بھی یہی بتلاتے ہیں کہ میدان کارزار یہیں گرم ہوا، شہداء کے مزارات کی بھی کثرت ہے،

مسجد گنج شہیداں اس ضمن میں مسجد گنج شہیداں بھی تعمیر ہوئی، اس کے سال تعمیر کا تو اب تک پتہ نہیں چلا، لیکن یہ تسلیم کرنے میں ذرا بھی تامل نہیں کہ اسی دور میں تعمیر ہوئی، یہ بھی کتنی عجیب سی بات ہے کہ یہ مسجد امتداد زمانہ سے کھنڈرات کی تہ میں دب گئی تھی، اور آج سے تقریباً ایک سو پچاس سال قبل جب انگریزی دور حکومت

میں کاشی اسٹیشن کی تعمیر ہو رہی تھی، تو یہ عالیشان مسجد کھنڈرات کی تہ سے برآمد ہوئی، اور لوگوں نے گنج شہیداں کے نام سے موسوم کیا، اس لئے کہ یہاں کثرت سے شہیدوں کی قبریں تھیں، مسجد گنج شہیداں کے پورب میں ایک حوض ہے۔ اس کے اوپر دیوار میں گولائی نما ایک کتبہ لگا ہوا ہے، جس پر یہ عبارت لکھی ہوئی ہے،

.... ہر کہ خوں دہد دہد این بالیں	جو اپنا خون دیتا ہے وہ اس پتھر کی
سنگ بشکند .... بخط مسعود قلبنی	چٹیا فی توڑتا ہے ..... مسعود قلبنی

اس کتبہ سے بظاہر یہی مطلب نکلتا ہے کہ میدان کارزار یہیں گرم ہوا، اور اس واقعہ کی یادگار میں یہ کتبہ مسعود قلبنی نے لگایا،

مسعود قلبنی کے متعلق بہت دریافت کرنے کی کوشش کی گئی لیکن اب تک پتہ نہ چل سکا کہ یہ کون تھے ۔ لیکن قرائن پر نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی ملک افضل علوی کے لشکریوں میں تھے، اس کے علاوہ کوئی بات نہیں بنتی،

ملک افضل علوی کے ہمراہ بہت سے لوگ بنارس آئے، اور ان میں جو لوگ شہید ہوئے ان کے مزارات آج بھی موجود ہیں، اور اکثر محلے جن میں ان کے مزارات ہیں، ان شہیدوں کے نام سے ہیں، سالار پورہ میں ملک افضل علوی کا مزار ہے، جو سید سالار مسعود غازی کے نام سے موسوم ہے، اور علوی پورہ ملک افضل علوی کے نام سے موسوم ہے، سر دست جتنے شہیدوں کے نام معلوم ہو سکے، ان کی تفصیل ذیل میں آرہی ہے،

ملک افضل علوی سید سالار مسعود غازی نے ان کو اپنا امیر بنا کر بنارس بھیجا، سالار پورہ میں آپ کا مزار علوی شہید کے نام سے ہے،

ملک سراج الدین قلبچی یہ بھی لشکریوں کے ہمراہ آئے تھے، محلہ اورنگ آباد

میں عالمگیر کی تعمیر کردہ پختہ سرائے کے قریب ہی ملک سراج الدین خلجی ہی کے نام سے قبر مشہور ہے،

ملک محمد باقر: آپ کے نام سے علوی شہید واقع سالار کے مزار کے متصل ہی ایک محلہ باقر کنڈ (جس کو بکریا کنڈ کہتے ہیں) موجود ہے، وہیں تالاب بھی ہے جس کو بکریا کنڈ کہتے ہیں، تالاب کے کنارے پچھم طرف بلند ٹیلے پر شاہ قطب علی اور شاہ صابر علی کے قبہ دار مقبرے بنے ہوئے ہیں، ان کے متصل ہی ایک طرف آپ کا مزار ہے جو باقر شہید کے نام سے مشہور ہے، آپ بڑے مقدس اور جامع کمالات باطنی وظاہری تھے، سید سالار مسعود غازی آپ کی بہت تعظیم کرتے تھے، اور آپ کی نسبت مشہور ہے کہ راجہ بنارس کا قلعہ آپ ہی کی دعاؤں سے فتح ہوا تھا، جیسا کہ تاریخ صنم کدہ بنارس کے بیان سے اس کی تائید ہوتی ہے،

ملک سید فخر الدین علوی: آپ کا مزار سالار پورہ کے ایک احاطہ کے اندر ہے اور مشہور ہے، اور زیارت گاہ خلائق ہے، احاطہ کے اندر بہت سی قبریں ہیں احاطہ، مزار، گنبد، دروازہ اور دہلیز کی مرمت و تعمیر آج سے ۶۰۰ سال قبل ضیاء الدین احمد حاکم بنارس نے ۷۷۶ھ مطابق ۱۳۷۵ء میں کرائی، جو سلطان فیروز شاہ دہلی کے وقت میں بنارس کے حاکم تھے، احاطہ مزار کے اندر داخل ہونے کے لئے ایک دروازہ، زینہ، اور دہلیز ہے، اور اس کی بیرونی دیوار پر کوفی رسم الخط میں یہ کتبہ لگا ہوا ہے

(۱) بناء گنبد و دہلیز روضۂ سید بعہد دولت فیروز شاہ اعظم بود

(۲) گذشتہ ہفصد ہفتاد و ہفت از ہجرت کہ مہر عقل ضیاء الدین بنا فرمود

سید فخر الدین شہید علوی کے روضہ کی دہلیز اور گنبد کی تعمیر فیروز شاہ اعظم کے دور حکومت میں ہوئی ہے، سال ہجرت کو گذر چکے کہ ضیاء الدین نے اس کو تعمیر کرایا،

۵۔ میران ناصر؛ یہ لشکر کے کوتوال تھے، اور سالار پورہ کے قریب ہی مزار ہے، جو عوام میں منا ناصر کے نام سے مشہور ہے، اسی نام سے محلہ منا ناصر بھی مشہور ہے، مزار کے سرہانے ایک پتھر بھی نصب ہے، اور اس پر کچھ عبارت تحریر ہے، لیکن اب مٹ گئی ہے

۶۔ بٹو شہید؛ اصلی نام معلوم نہیں، یا ممکن ہے کہ یہی اصلی نام ہو، محلہ تلوچین میں بجار گو بھوتس پریس کے پیچھے آپ کا مزار ہے، مزار کی عمارت کی چھت ایک ہی ستون پر ہے، لوگوں نے اب اس مزار کو عمارت کو مسجد کی حیثیت دے رکھی ہے، اور اس کو یک کھمبیہ مسجد کہتے ہیں،

اس مزار کی عمارت ۷۸۹ھ میں ضیاء الدین حاکم بنارس کے بیٹے نے بنوائی، اور اس پر ایک کتبہ بھی نصب کرایا، لیکن اب یہ کتبہ عمارت سے علاحدہ ایک چبوترے پر نصب ہے، اور کوفی رسم الخط میں قطعہ تاریخ درج ہے، افسوس کہ اب یہ کتبہ بھی مٹ چکا ہے، بڑی دقتوں کے بعد فوٹو حاصل کرکے پڑھا جا سکا، عبارت یہ ہے:

بعہد دولت فیروز شاہ قلعہ کشائے — اساس روضۂ بٹو شہید سر پائے

بنا نہاد علم دین عالم ابن ضیاء — بسال ہفتصد و ہشتاد و نہ ز عون خدا

۷۸۹ھ

یہ تو چند مشہور شہیدوں کے نام ہوئے، لیکن ان کی تعداد بہت زیادہ ہے، اور بنارس کے مختلف محلے ان شہیدوں کے نام پر بسے ہوئے ہیں، جیسے میرزا احمد عرف محمد شہید کے نام سے محلہ محمد شہید آباد ہے، اور اسی محلہ میں لب سڑک آپ کا مزار مشہور ہے، جابر شہید کا مزار اور اسی نام کا محلہ ٹھٹھیری بازار میں ہے، اور چاندنی چوک میں لب سڑک محمد زاہد عرف مرد شہید کا مزار ہے، اور محلہ قطبن شہید میں قطب الدین شہید کا مزار ہے، صنم کدہ بنارس کے مصنف نے ان تمام شہیدوں کو ملک افضل علوی کے رفقاء اور لشکریوں میں قرار دیا ہے

نوربافان بنارس

ملک افضل علوی کے رفقاء اور لشکریوں میں جو لوگ زندہ رہے وہ بنارس ہی میں رہ گئے، اور یہاں انھوں نے رزق حلال جان کر ریشم کے کپڑے بننے کا کام اختیار کیا، چونکہ یہ حضرات اپنی نیکی، دینداری، شرافت خاندان کی بنا پر دوسری قوموں سے ممتاز تھے، اس بنا پر ان کو "مومن" اور "شیخ" کے نام سے شہرت ہوئی، ان کی نسلیں بنارس ہی میں بڑھیں، اور دوسرے اطراف میں بھی منتقل ہوئیں، پھر ان کو "نورباف" کہا جانے لگا، جو عرصہ دراز تک رائج تھا، اور اب بھی قدیم شاہی فرامین میں نورباف ہی لکھا ہوا موجود ہے۔

علم الانساب کی کتابوں اور ہندوستان کی قدیم تاریخی دستاویزوں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ "نورباف" ایک بڑی تعداد میں بنارس، جونپور، غازی پور، اعظم گڈھ کے علاقوں میں آباد ہو گئے، لیکن یہاں کی دوسری قوموں کے ساتھ اختلاط اور نسل چلنے سے اب خاندانوں کا پتہ نہیں چلتا، لیکن یہ واقعہ ہے کہ تقریباً نو سو سال سے "پارچہ ریشم" کے بننے کا سلسلہ یہاں اب تک قائم ہے اور نسلاً بعد نسل ہوتا آیا ہے، اور اب اس کی ایک مستقل تاریخ بن گئی ہے۔

ہندوستان پھر بھی ہندوستان ہے، مسلمانوں کا باقاعدہ وجود تو بہر حال یہاں دوسرے ملکوں ہی سے آنے کے بعد ہوا، تاریخ اور نسب کا جہاں تک تعلق ہے وہ اندھیرے میں ہے، نتیجہ یہ نکلا کہ جس کے جی میں جو آیا اپنی نسبت

مشہور کر دیا، ان "نوربافوں" نے اپنی نسبت "انصار" کی طرف کرتے، حالانکہ اس کی کوئی اصلیت ہی نہیں، یہ لفظ تصرف از "انصاری" کر کہا جا سکتا ہے، اور موجودہ "نوربافوں" سے ان کا کوئی تعلق نہیں، اسی طرح ایک چلا ہوا لفظ جولاہہ کا ہے، اولاً تو یہ لفظ ہی غلط ہے جس کے کوئی معنی نہیں، دوسرے یہ کہ اگر اصل لفظ پر غور کیا جائے تو وہ "جولاہ" ہے جو فارسی کا لفظ ہے، اور اس کے معنی "پارچہ باف" کے ہیں، مولانا روم نے فرمایا:

شاہ را گوید کسے جولاہ نیست ایں نہ مدح است او مگر آگاہ نیست

ممکن ہے کہ یہ "جولاہ" بگڑ کر "جولاہہ" ہو گیا ہو، لیکن اس کا مطلب تو یہ نکلا کہ ہر پارچہ باف "جولاہہ" ہوگا، اصل شرافت خاندانی شرافت ہے، پیشے تو کوئی بھی معیوب نہیں، اگر "انصاری" سے نسبت حضرت ابوایوب انصاری کی طرف ہے کہ وہ بھی پارچہ باف تھے، یہ غلط ہے۔

غزنوی دور حکومت کا خاتمہ اور غوری سلطنت کی ابتدا

غوری سلطنت سے ہندوستان کی تاریخ کا ایک اہم باب شروع ہوتا ہے، جس کی بنیاد غزنوی سلطنت کے کھنڈر پر قائم ہوئی ہے، غوری سلطنت کا بانی سلطان شہاب الدین غوری پہلے غزنی کی فتح کے بعد وہاں کا صوبہ دار پھر اپنے بھائی غیاث الدین کی وفات کے بعد پوری سلطنت کا مالک بنا، وہ محمود غزنوی کا جانشین تھا، سلطان قطب الدین ایبک اسی شہاب الدین غوری کا نامور ترک سپہ سالار

تھا، وہ ہندوستان میں اسلامی مساوات و اخوت کا ایک روشن مینار تھا، اگرچہ وہ
غلام ترک تھا، لیکن غلاموں کی صف سے نکل کر سلاطین کے تخت پر بیٹھا، اس
کے بعد غلام در غلام دہلی کی سلطنت پر بیٹھتے گئے، قطب الدین پہلی مرتبہ ترکستان
سے نیشاپور لایا گیا تھا، اور ایک سوداگر نے اس کو سلطان شہاب الدین غوری
کے دربار میں گراں قیمت پر فروخت کیا تھا، اور یہیں اپنی ٹوٹی ہوئی کف انگلی کی وجہ
سے ایبک سے مخاطب کیا گیا،

سلطان شہاب الدین غوری نے قنوج کی لڑائی کے بعد قطب الدین ایبک
کے ہاتھ میں ہندوستان کی حکومت کی باگ ڈور دیدی، راجہ جے چند کی آنکھ میں
جب تیر لگا اور اس لڑائی میں قطب الدین ایبک کی راہ روکنے والا کوئی [illegible] نہ تھا،
اس نے بنارس تک قبضہ کر لیا تھا، اور بے شمار دولت [illegible] کے ہاتھ آئی تم

سید جمال الدین صوبہ دار بنارس

۵۹۱ھ مطابق ۱۱۹۴ء میں شہاب الدین محمد غوری نے راجہ جے چند
والی قنوج کو شکست دے کر بنارس پر قبضہ کیا، اور سید جمال الدین کو صوبہ
بنارس کا صوبہ دار مقرر کیا[1]،

محلہ جمال الدین پورہ جو علوی پورہ ہی کا ایک حصہ ہے، ان کے نام سے موسوم
ہے، اور اسی محلہ میں ان کا مقبرہ بھی ہے، جو عوام میں شاہی مزار کے نام
سے مشہور ہے،

---

[1] تاریخ راج بنارس ص ۸۱

اس عہد حکومت میں بنارس کا کوئی خاص واقعہ قابل ذکر نہیں ہے،
شہاب الدین غوری کے نائب سلطنت سلطان قطب الدین ایبک تھے جیسا کہ
تحریر کیا جا چکا ہے، سلطان شہاب الدین غوری کی اچانک شہادت کا واقعہ
پیش آیا جس کا سبب آج تک مورخین پر واضح نہ ہو سکا،

سید عبد الرزاق حاکم بنارس

سنہ ۶۰۲ھ مطابق سنہ ۱۲۰۶ء میں سلطان قطب الدین ایبک کی تخت نشینی
کے زمانہ میں سید عبد الرزاق بنارس کے گورنر تھے، عمر کی آخری منزلوں میں
دنیا سے قطع تعلق کر کے درویشی اور گوشہ نشینی اختیار فرمائی، بنارس میں دریائے گنگا
کے کنارے ان کا مقبرہ بڑی بلندی پر واقع ہے اور بڑی پر فضا جگہ ہے، جو عوام
میں شاہ عبد الرزاق کے نام سے موسوم ہے، سنہ ۷۱۶ھ مطابق سنہ ۱۳۱۶ء میں سلطان
قطب الدین ایبک مبارک خلجی کے عہد میں یہ مسجد تعمیر ہوئی، مسجد کے باہر دیوار
پر ایک کتبہ کوفی رسم الخط میں تحریر ہے، جو کچھ ٹوٹ گیا ہے، عبارت یہ ہے:

مبارک شاہ سلطان ابن سلطان بعہد شاہ قطب الدین بودہ

بسال ہفصد و سیزدہ ز ہجرت

پہلے یہ مسجد لب دریا تھی اور بہت کشادہ تھی، لیکن منہدم ہو گئی، اور اب صرف
زینہ، دروازہ، اور محراب کا نشان باقی رہ گیا ہے، موجودہ مسجد سنہ ۱۲۴۹ھ مطابق
سنہ ۱۸۳۳ء میں ایک شخص نے از سر نو تعمیر کرائی، اور محراب میں یہ کتبہ نصب کیا:

جبینن چونکہ ایں مسجد بنا کرد | متاع دین و ایماں بافزمفت
سروشے سال وے از روئے انشا | عبادت خانۂ دیں آمدہ گفت

۱۲۴۸ھ

محمد باقر خاں حاکم بنارس

سلطان قطب الدین ایبک ہی کے زمانے میں سید عبدالرزاق رحلت کر چکے تھے، اور ان کے بعد محمد باقر خاں بنارس کے حاکم مقرر ہوئے تھے، اور محلہ باقرآباد ان کے نام سے آباد ہوا، جو آج بھی موجود ہے، تاریخ صنم کدہ بنارس سے معلوم ہوتا ہے کہ گرروٹی کی ایک مشہور قسم باقرخانی بھی ان ہی کے نام سے مشہور ہے،

سلطان شمس الدین التمش کا دور حکومت اور بنارس

سلطان قطب الدین ایبک کا ایک لے پالک بیٹا آرام شاہ ۶۰۷ھ مطابق ۱۲۱۰ء میں ایبک کا جانشین ہوا، لاہور دار السلطنت کے فوجی افسروں نے ایبک کی وفات کے بعد اس کی بادشاہی کا اعلان لاہور میں کیا، مگر قسمت اس منصب کیلئے ایک دوسرے نوجوان کو منتخب کر چکی تھی، دلی کے فوجی افسروں نے التمش کو مدعو کر کے تخت پر بٹھایا، آرام شاہ نے ۶۰۷ھ مطابق ۱۲۱۰ء میں دلی پر فوج کشی کی، مگر وہ لڑائی میں مارا گیا،

التمش نے اپنے دورِ حکومت کے بہت سے حریف اور مخالفین پر نظر ڈالی اور ان کا قلع قمع کرنے کے لئے حکمتِ عملی سے کام لیا، اور بالآخر اپنے دورِ حکومت میں مغرب کی شوالک پہاڑی سے مشرق میں بنارس تک قبضہ کر لیا، اور ان کے انتظام میں مصروف ہوا،

حاجی محمد ادریس حاکم بنارس

اب جبکہ سلطان قطب الدین ایبک کی حکومت کا تختہ ہی پلٹ گیا، اور سلطان شمس الدین التمش کی حکومت کا سکہ چل رہا تھا اس وقت بنارس کو صوبہ بنارس کا دار السلطنت مقرر کیا، التمش نے بنارس کا حاکم کس کو بنایا؟ یہ پتہ نہیں لیکن اس کے بعد سلطان غیاث الدین بلبن نے ۶۴۵ھ مطابق ۱۲۴۷ء میں حاجی محمد ادریس کو بنارس کا صوبہ دار بنایا،

اس دورِ حکومت کے چند اہم واقعات

(۱) حاجی محمد ادریس ایک زندہ دل اور علم دوست آدمی تھے، اور سیر سیاحت کا بھی بہت زیادہ شوق تھا جس زمانے میں فریضۂ حج ادا کرنے کے لئے حرمین شریفین سفر کیا، اسی زمانے میں بغرض سیاحت شیراز گئے، وہاں شیخ سعدی شیرازی بھی موجود تھے، حاجی صاحب نے شیخ سعدی سے ملاقات کا شرف حاصل کیا،

اوران کی تصانیف گلستاں، بوستاں وغیرہ کی نقل لے کر بنارس آئے، اور یہیں ان کتابوں کے پڑھنے اور پڑھانے کا رواج دیا، اور یہ شرف بھی صرف بنارس کو حاصل ہوا کہ بنارس کے اس علم دوست حاکم کی بدولت ہندوستان کے تمام مدرسوں میں یہ کتابیں داخل نصاب ہو گئیں اور پڑھنے پڑھانے کا رواج عام ہو گیا ہو گیا، گلستاں کا یہ قدیم نسخہ سید مہدی حسن صاحب تحصیلدار بنارس نے تقریباً ۱۰۰ سال کے بعد ۱۸۴۸ء مطابق ۱۲۶۵ھ میں نواب علی خاں خاں بہادر جج سابق بنارس کے قلمی کتب خانے میں ان کے نواسے نواب عنایت حسین خاں کے ذریعہ سے دیکھا تھا، جو نہایت پارینہ اور کرم خوردہ ہو گئی تھی، نواب صاحب بہت سی کتابوں کے مصنف تھے، ان کا تذکرہ انگریزوں کے دور حکومت میں اس کتاب کے آخر میں ملاحظہ فرمائیے،

(۲) حاجی محمد ادریس کے نام سے محمود ری پارک میں بھارگو بھوشن پریس کے پیچھے ایک محلہ "حاجی ادریس" کے نام سے مشہور ہے، جہاں مسلمانوں کی خاص آبادی تھی لیکن اب نہیں ہے، وہاں کئی مسجدیں اور قبریں ہیں جو اسی دور کی ہیں۔

(۳) حاجی محمد ادریس نے بنارس میں رفاہ عام کے کام بھی کئے ہیں، ان میں اہم یہ ہے کہ ایک پختہ سنگین کنواں تعمیر کیا جو محلہ قزاق پورہ متصل مزار حضرت پیر آفرین واقع ہے، وہیں ایک احاطہ کے اندر حاجی صاحب کا مقبرہ ہے، جس کے ب سڑک کنواں ہے، اور اس کنویں کے چہار جانب سہ دری آپ کی یادگار ہے، کنواں دو منزلہ ہے، سہ دری کے بیرونی جانب کلمہ طیبہ اور آیۃ الکرسی کندہ ہے اور تینوں دروں پر یہ کتبے لگے ہوئے ہیں،

۱۔ فرحت افزا ابود جائش — منظرش طور ودل نشیں خواہ

۲۔ ایں ندا گفت ہاتف ۔۔۔ — باغ ورواق وجاہش زیبا

۳۔ کوثری ۔۔۔ شدہ ۔۔۔ — ہاتف غیب گفت ثنا قی مشکل کشا ۱۱۷۹ھ

یہ کتبے اتنے مٹے ہوئے ہیں کہ بڑے تفحص اور تامل کے بعد پڑھے جا سکے اجو الفاظ نہیں پڑھے جا سکے ان پر چوپیلا لگا دیا گیا ہے، تاریخ تعمیر ۱۱۷۹ھ ہے، حالانکہ حاجی محمد ادریس کی مدت حکومت ۱۱۹۰ھ تک ختم ہو چکی تھی، معلوم ہوتا ہے کہ مدت حکومت ختم ہونے کے بعد انھوں نے تعمیر کرایا،

(۴) گلستاں، بوستاں کے قلمی نسخوں کے آنے کے بعد بنارس میں دہلی کی مرکزی حکومت کی جانب سے سلطان غیاث الدین بلبن نے مدرسے تعمیر کرائے، اور دوسرے شہروں میں بھی اسلامی درسگاہوں کا قیام ہوا، اور ہندوستان کے حکمرانوں میں یہی غیاث الدین بلبن وہ بلند حوصلہ بادشاہ گزرا ہے جس کے دور حکومت میں مکہ معظمہ تک مدرسوں کے قیام کا سلسلہ رہا، اور یہ ہندوستان کا پہلا بادشاہ ہے جس کے نام سے مکہ معظمہ کا ایک مدرسہ منسوب ہوا، اور مکہ میں مدرسہ قائم کرنے کے لیے شریف مکہ کے پاس زر خطیر روانہ کیا، غیاث الدین بلبن نے چار مدرسے اور بھی قائم کئے، ان مدرسوں کا تفصیلی تذکرہ "اعلام وشعار الغرام تاریخ مکہ" میں موجود ہے،

عزیز الدین حاکم بنارس

۶۹۵ھ مطابق ۱۲۹۶ء میں سلطان علاؤالدین خلجی نے بنارس کا حاکم عزیز الدین

کو مقرر کیا، اسی حاکم کے زمانے میں بنارس میں پلنگ پیڑھی کی رسم جاری ہوئی، پلنگ پیڑھی | جو ہر سال سید سالار مسعود غازی کے میلہ کے موقع پر بہرائچ جاتی ہے،

اس کا مختصر واقعہ یہ ہے کہ سید جمال الدین ساکن قصبہ رودولی ضلع بارہ بنکی کی ایک لڑکی مسماۃ زہرا نابینا تھی، اسے سید سالار مسعود غازی سے بڑی عقیدت تھی، حکمت خداوندی سے ایک روز اچانک زہرا کی آنکھ روشن ہوگئی، اس نے خود بہرائچ جاکر سید سالار مسعود غازی کا مقبرہ تعمیر کرایا، اور تعمیر کے بعد ہی وفات کرگئی، اور وہیں مدفون ہوئی، اس کی ماں کو بڑا صدمہ ہوا، اور اپنی تسکین کیلئے ہر سال رودولی سے اپنی بن بیاہی بیٹی کیلئے پلنگ پیڑھی لیکر بہرائچ جاتی تھی، اور اپنی ناقص عقل میں اس کو سامان شادی اور جہیز تصور کرتی تھی، رفتہ رفتہ یہ رسم وہاں سے بنارس اور دوسرے شہروں میں رائج ہوگئی اور آج تک یہ رسم ادا کی جارہی ہے، اللہ تعالےٰ محفوظ رکھے[1]

خاندان خلجی کی حکومت کے زمانے میں ہندوستان کے بہت سے صوبے خود مختار ہوگئے تھے، آگے چل کر یہ... خاندان ہی ختم ہوگیا، اور خاندان تغلق کی حکمرانی شروع ہوئی، پہلا بادشاہ غیاث الدین تغلق تھا، جس نے اپنے زمانے میں جمال الدین احمد کو بنارس کا حاکم مقرر کیا، غیاث الدین تغلق کے بعد محمد تغلق نے اس کی جگہ لی، جو کہ حافظ قرآن اور عربی و فارسی میں بہت اعلیٰ خطوط لکھتا تھا، پھر اس کی وفات کے بعد امراء نے غیاث الدین تغلق کے بھتیجے فیروز تغلق کو مقرر کیا، جو ۱۳۵۱ء سے ۱۳۸۸ء تک بادشاہ تھا، اس بادشاہ نے یہاں کچھ علمی خدمات انجام دیں، اور بہت سے رفاہ عام کے کام انجام دیئے، اور دوا خانے، سرائیں، نہریں، کنوئیں اور سڑکیں کھدوائیں، یہ بادشاہ بہت دیندار اور نیک تھا، اور اس نے ایک گھڑی ایجاد

---

[1] گنج ارشدی ص ۱۹۶ قلمی نسخہ خانقاہ رشیدیہ جونپور ۱۲

کی تھی، جس کی یہ خصوصیت بیان کی جاتی ہے کہ،

یخرج فی ساعة منها صوت عجیب یترنم بهذا البیت

اس گھڑی سے ہر گھنٹہ ایک آواز پیدا ہوتی ہے، اور نغمہ کے ساتھ یہ شعر سنائی دیتا ہے،

ہر ساعتے کہ بر در شاہ فاس می زنند

نقصان عمر می شود آں یاد می دہند (نزہۃ الخواطر) ج

بادشاہ کے دروازے پر ہر گھنٹہ گھڑیال بجاتے ہیں اور یاد دلاتے ہیں کہ عمر کا اتنا حصہ کم ہو گیا، یہ گھڑی کیا تھی گویا گراموفون کا کام دیتی تھی،

جلال الدین احمد حاکم بنارس

خاندان خلجی کے زمانے میں بہت سے ہندوستان کے صوبے خود مختار ہو گئے آگے چل کر یہ خاندان ہی ختم ہو گیا اور خاندان تغلق کی حکمرانی شروع ہوئی جس کا پہلا بادشاہ غیاث الدین تغلق تھا جس نے اپنے زمانے میں جلال الدین احمد کو بنارس کا حاکم بنایا محلہ جلال الدین پورہ (جلالی پورہ) انہی کے نام سے مشہور ہے،

ضیاء الدین احمد حاکم بنارس

غیاث الدین تغلق کے بعد محمد تغلق نے اسکی جگہ لی، جو قرآن کا حافظ تھا اور عربی و فارسی میں بہت اعلیٰ خطوط لکھتا تھا پھر اسکی وفات کے بعد امرائے غیاث الدین تغلق کے بھتیجے فیروز تغلق کو مقرر کیا جو ۱۳۵۱ء سے ۱۳۸۸ء تک بادشاہ تھا اور اس نے ضیاء الدین احمد کو بنارس کا حاکم مقرر کیا، جو ایک دیندار حاکم تھے، اور بنارس میں بہت سے رفاہ عام کے کام کئے، اور شہر کی بہت سی تاریخی عمارتیں

لنگر خانہ علوی پورہ میں باقر کنڈ کے کنارے حضرت شاہ صابر علی صاحب کی خانقاہ اور مقبرہ سے متصل ایک لنگر خانہ تعمیر کرایا جو آج بھی موجود ہے،

مقبرہ حضرت فخر الدین شہید علوی ضیاء الدین نے محلہ سالارپورہ میں حضرت فخر الدین شہید علوی کا مقبرہ تعمیر کرایا، اور اس کے ملحق ایک مسجد، گنبد، برآمدہ احاطہ اور دالان کی تعمیر کرائی، جس کو اب ۶۰۰ سال گذر رہے ہیں،

مسجد جھاڑو شاہ یہ مسجد اب جھاڑو شاہ کی مسجد کے نام سے عوام میں مشہور ہے، اور تالاب کے کنارے بڑی پر فضا جگہ پر واقع ہے، پوری عمارت سنگین ہے، اور مسجد کا طرز تعمیر فیروز شاہی تعمیرات کا نمونہ ہے، اس کے اندر چھت پر یہ کتبہ لگا ہوا ہے،

بسم اللہ الرحمن الرحیم

از عون عنایات ربانی و تائید ظل یزدانی مسجد و منبر دحجرہ نزدیک حوض عوطہ مقام متبرک فخر الدین شہید علوی طاب اللہ ثراہ وجعل اللہ الجنۃ مثواہ بعہد سلطان اعظم .... بتائید الرحمن ابو المظفر فیروز شاہ خلد اللہ ملکہ، عمارت بندۂ مسکین ضیاء الدین احمد،
حق تعالیٰ بندۂ خود را عاقبت بخیر گرداند، بحق محمد و آلہ و اصحابہ من غرۃ ربیع الاول ۷۷۷ھ سبع وسبعین مائۃ من الہجرۃ

چوکھمبہ کی مسجد اس نامور حاکم نے یہ مسجد بھی تعمیر کرائی ہے اور اس کے علاوہ اور کئی مسجدوں کی تعمیر میں ہاتھ لگایا، لیکن زندگی نے وفا نہ کی، اور نامکمل رہ گئیں، اس طرح کی اور کئی مسجدوں کا سراغ لگا ہے، جن میں سے حسب ذیل کی مسجدیں قابل ذکر ہیں،

راج مندر کی مسجد ضیاء الدین حاکم بنارس کے دور حکومت کے بعد فیروز شاہ ہی کے دور حکومت میں حسین بن باقر ف حسینی نے ایک خاتون کی یادگار میں یہ مسجد تعمیر کرائی، جو لب دریا بلندی پر واقع ہے، عمارت بہت مضبوط اور سنگین ہے، عمارت

میں تعمیر ہوئی، مسجد کے اندر پورب کی دیوار میں دروازے کے اوپر یہ کتبہ لگا ہوا ہے:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

از عون عنایات الٰہی و تائید فضل نامتناہی بعہد سلطان اعظم فیروز شاہ

خلد ملکہ و سلطانہ مسجد تعمیر نمود عمارت بندہ مسکین حسین شریف حسینی است

امید از پروردگار آنست کہ ... حاصل گردد آنرا جریدۂ اعمال

اسیر خاتون ملک نصیر الدین ملحق گردد،

العاشر من جمادی الاول سنہ خمس و ستین و سبع مأۃ ۷۶۵ھ

شکر تالاب کی مسجد یہ مسجد بھی سلطان فیروز شاہ تغلق کے عہد میں ضیاء الدین حاکم بنارس نے تعمیر کرائی، لیکن بعض حصے منہدم ہو جانے کے بعد از سر نو تعمیر ہوئے، یہ "شکر تالاب" کا نام بھی ایک مستقل وجہ تسمیہ رکھتا ہے، اس کا مختصر قصہ یہ ہے کہ رائے سدہن والی جاج نگر باغی ہو گیا تھا، سلطان فیروز شاہ جاج نگر آئے، رائے سدہن خوف سے بھاگا، اس کی ایک لڑکی جس کا نام شکر تھا، فیروز شاہ نے اپنی حفاظت میں رکھا، اور جہاں رائے سدہن کا مکان تھا اس کو منہدم کرا دیا اور اس جگہ ایک تالاب بنوایا، جو لڑکی کے نام سے شکر تالاب مشہور ہے، اب تو صرف نام باقی رہ گیا ہے، تاریخ صنم کدہ بنارس سے یہ واقعہ نقل کیا گیا ہے،

شکر تالاب میں اکثر بزرگان دین کی قبریں ہیں، خصوصاً حضرت شاہ فراز محمد کا مقبرہ مشہور ہے، جن کی نسبت یہ مشہور ہے کہ جہانگیر بادشاہ کے وقت میں یہاں وارد ہوئے تھے، لیکن ان کے حالات کہیں مل نہ سکے، خاکسار مصنف کے پردادا شیخ امام الدین کی قبر بھی وہیں ہے،

بنارس خواجہ جہاں ملک الشرق کے عہد میں

فیروز شاہ دہلی کی وفات کے بعد اس کے پوتے غیاث الدین پھر دوسرے پوتے سلطان ابوبکر پھر سلطان ناصر الدین شاہ پھر سلطان سکندر شاہ پھر محمود شاہ دہلی کی مرکزی سلطنت پر قابض رہے ، اور ان سب بادشاہوں کے عہد حکومت میں بھی ضیاء الدین احمد ہی حاکم بنارس رہے لیکن اس خاندان کے آخری تاجدار محمود شاہ کے زمانے میں اچانک امیر تیمور صاحبقراں دل بادل فوجوں کے ساتھ نمودار ہوا ، اور دہلی پر حملہ کرکے قابض ہوگیا ، اور سارے ہندوستان میں اس کے نام کا خطبہ پڑھا گیا ، اور امیر تیمور صرف پندرہ دن ٹھہر کر اپنے ملک سمرقند چلا گیا ، اور خواجہ جہاں ملک الشرق جون پور کے مستقل بادشاہ ہوئے ، بنارس بھی اس سلطنت کے زیر حکومت ہوگیا ،

اس کی تفصیل یہ ہے کہ ۷۹۶ھ مطابق ۱۳۹۴ء میں شاہ دہلی نے خواجہ جہاں کو جونپور کا صوبہ دار مقرر کیا ، لیکن انھوں نے مرکزی حکومت سے سرتابی کرکے جون پور میں خاندان شاہان شرقی کی بنیاد ڈالی ، اور اپنے لڑکے مبارک شاہ کو ملک الشرق کا خطاب دے کر اپنا مدار المہام مقرر کیا ، قنوج سے لیکر بہار تک تمام صوبے اس کے زیر حکومت ہوگئے ، اور اس طرح بنارس جونپور دار الحکومت کے ماتحت ہوگیا ، خواجہ جہاں کا انتقال ۸۰۲ھ مطابق ۱۳۹۹ء میں ہوا ، خواجہ بازار بنارس میں کھوا بازار[1] انھیں کے نام سے مشہور ہے ،

[1] صحیح لفظ خواجہ بازار ہے ،

سمرقندی مسلمانوں کا قافلہ بنارس میں

امیر تیمور صاحبقران کے لشکر میں سمرقند اور عراق سے مسلمانوں کے دو بڑے قافلے آئے، اول مسلمانان سمرقند جن کو پیران پیر حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ سے خاص عقیدت تھی، اور یہ لوگ شریف، دیندار، اور باعزت تھے، چونکہ یہ لوگ بہ نیت جہاد مع اہل و عیال ہندوستان آئے تھے اور یہاں کے مسلمانوں میں خود نفاق تھا اس وجہ سے علاحدہ ہو گئے،

ملک الشرق خواجہ جہاں سلطان جونپور کے زمانے میں یہ لوگ بنارس آئے، اور رزق حلال کی خاطر یہاں کے نوربافوں کا پیشہ اختیار کیا، اور ان میں گھل مل کر ایک ہو گئے، اور آپس میں قرابتداریاں قائم کرلیں، اور کافی جان و مال کے مالک بن گئے،

دوسرا قافلہ مسلمانان عراق کا ہے جن کے خاندانی بزرگ حضرت حر شہید کربلا کے متعلقین و معتقدین میں سے تھے، یہ لوگ شہدائے کربلا کے ماتم میں عام طور سے سیاہ لباس پہنا کرتے تھے، یہ لوگ بھی جہاد کی نیت سے ہندوستان آئے تھے، اور باہمی جنگ دیکھ کر کنارہ کش ہو گئے، اور کچھ بنارس ہی میں رہ گئے، اور کچھ اعظم گڑھ، جونپور، غازی پور کے قریبی اضلاع میں منتقل ہو گئے، اور اپنا ذریعہ معاش تجارت کو بنایا، اب تک مسلمانان عراق کی یہ برادری مذکورہ بالا اضلاع میں موجود ہے، اور لفظ عراقی کو بگاڑ کر ان کو "رائنی" کہا جاتا ہے،

ملک مبارک شاہ ملک الشرق ثانی

خواجہ جہاں کے انتقال کے بعد ہی سنہ ۸۰۲ھ مطابق سنہ ۱۳۹۹ء میں ان کے ملک مبارک شاہ ملک الشرق سلطنت پر قابض ہوئے، لیکن صرف دو ہی سال حکومت کرنے کے بعد انتقال کر گئے، ان کے بعد ان کے بھائی سلطان ابراہیم ملک الشرق ہوئے، جن کے دور حکومت میں بنارس میں بڑی ترقی ہوئی، تفصیل آگے آرہی ہے،

محمد خالص حاکم بنارس

ابراہیم شاہ ملک الشرق کی حکومت کے زمانے میں محمد خالص سنہ ۸۰۷ھ مطابق سنہ ۱۴۰۴ء میں بنارس کے حاکم تھے، بنارس میں خالص پورہ محلہ ان ہی کے نام سے خالص پورہ یادگار ہے،

اسی سلطنت کے زمانے میں سلطان ظل اللہ سید اشرف جہانگیر سمنانی نے دس سال تک سمنان میں حکومت فرما کر اپنے بھائی سلطان اعز شاہ کو اپنا جانشین بنایا اور حکومت ترک کر کے درویشی اختیار فرمائی، اور پھر تبلیغ اسلام کے سلسلے میں ہندوستان تشریف لائے، اور خوش قسمتی سے اسی زمانے میں جونپور ہوتے ہوئے بنارس تشریف لائے، جو آگے چل کر مخدوم شاہ کے نام سے مشہور ہوئے،

حضرت مخدوم سید اشرف جہانگیر کا ورود مسعود بنارس میں حضرت مخدوم صاحب نے بنارس میں چند روز قیام فرمایا، اور یہاں کے دوران قیام میں ایک اہم واقعہ

پیش آیا، جس کی تفصیل لطائف اشرفی میں درج ہے،

واقعہ یہ ہے کہ ایک روز حضرت مخدوم صاحب سیر کرتے ہوئے ایک بتخانہ کیطرف گذرے، ہندو برہمن صدق و نیاز کے ساتھ بت کی پرستش میں مشغول تھے، مخدوم صاحب وہیں کھڑے ہوگئے، اور بڑی دیر تک دم بخود رہے، اور برجستہ یہ شعر پڑھا،

اگر نقش رخ و زلفت نہ بودے در ہمہ اشیاء مغاں ہرگز نہ کردندے پرستش لات او عزیٰ

ترجمہ: خداوندا اگر تیرے رخ اور زلف کا نقش تمام چیزوں میں نہ ہوتا تو مغاں لات پرست، ہرگز لات اور عزیٰ (دو بتوں کے نام ہیں) کی پرستش نہ کرتے،

پجاریوں نے حضرت کو دیکھا تو دوڑے ہوئے آئے اور ملاقات کرنے کے بعد کچھ دین و مذہب کی فضیلت پر گفتگو شروع ہوئی، برہمنوں نے اپنے مذہب کی ترجیح پر دلیلیں پیش کیں، اور مخدوم صاحب نے بھی بڑی دیر تک اسلام کی حقانیت اور صداقت پر تقریر فرمائی، جب یہ دیکھا کہ یہ لوگ اپنی ضد سے باز نہیں آئیں گے، تو اتمام حجت کے طور پر فرمایا کہ "اگر یہ بت تمہارے دین کی تکذیب کریں تو ایمان لاؤ گے؟" برہمنوں نے اقرار کیا اور وعدہ کیا کہ اگر ایسا ہوا جیسا کہ آپ فرماتے ہیں تو ہم ضرور اسلام کا کلمہ پڑھ کر حلقہ بگوش اسلام ہوں گے،

اس کے بعد حضرت مخدوم صاحب نے ہاتھ بڑھایا اور ایک بت پر اتھ رکھ کر اس کو مخاطب کر کے کہا "اے بت اگر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دین برحق ہے تو لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھ!"

بت نے کلمہ پڑھا اور لوگوں نے سنا، اور برہمنوں کی ایک جماعت حلقہ بگوش اسلام ہو گئی، ؎

حضرت مخدوم صاحب قدس سرہ کی اس بے مثال کرامت اور آپ کی بنا پر

میں تشریف آوری سے کفر و شرک کے اندھیرے میں توحید کی کرن پھوٹی، اور مسلمانوں کی ایک مستقل آبادی قائم ہو گئی اور اسلام کی اشاعت ہوئی،
ممکن ہے کہ آج کل کے نئے دل و دماغ رکھنے والے اس کھلی کرامت کا انکار کریں، حالانکہ اولیاء اللہ کی کرامات برحق ہیں، اور اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے جس میں اگر انکار کی گنجائش ہو سکتی ہے تو پھر معاذ اللہ حضرات انبیاء کرام کے معجزات کا بھی انکار کرنا پڑے گا، حالانکہ کسی مسلمان کو اس کی جرأت نہیں ہو سکتی،
۲۸ محرم ۸۰۸ھ میں مخدوم صاحب کا انتقال ہوا، اور کچھوچھہ میں مدفون ہیں، ہندوستان کے گوشے گوشے سے زائرین حاضر ہوتے ہیں، ہر سال عرس ہوتا ہے

حضرت سید بدیع الدین قطب المدار

محمد خالص حاکم بنارس کے دور حکومت میں ایک دوسرا قابل ذکر واقعہ ہے کہ ۱۷ جمادی الاول ۸۳۶ھ میں حضرت سید بدیع الدین قطب علیہ الرحمہ نے مکن پور میں انتقال فرمایا، اور وہیں مدفون ہوئے، بنارس کے جاہل معتقدوں نے محلہ کتوا پورہ میں فرضی مقبرہ بنا کر میلہ لگانا شروع کیا، اور آج تک یہ گمراہی پھیلی ہوئی ہے، ہر سال جمادی الاول میں سترھویں کے نام سے میلہ لگتا ہے، اور فرضی مقبرے پر نذر و نیاز کا سلسلہ جاری ہے،

غلام انبیاء حاکم بنارس

سنہ ۸۴۴ھ میں سلطان ابراہیم ملک الشرق کے بجائے سلطان محمود ملک

الشرقی نے حکومت کی باگ ڈور اپنے ہاتھوں میں لی، اور غلام انبیار کو بنارس کا حاکم مقرر کیا جن کے نام سے انبیار کی منڈی ہے جو اب انبیا منڈی کہلاتی ہے،

پارچہ محمودی — سلطان محمود کے نام سے بنارس کے ریشمی ملبوسات میں پارچہ محمودی مشہور ہے اور اب بھی کہیں کہیں یہ کپڑا تیار کیا جاتا ہے،

راجہ بی بی — سلطان محمود نے بنارس کی ایک بیوہ اور غریب عورت سے شادی کر لی تھی جس کا نام راجہ بی بی تھا، اور اسے داخل محل کر کے ملکہ شرقیہ کا خطاب دیا،

یہ سید طالب علی عرف سید طاہن جو ایک زمانے میں راجہ جے چند کی طرف سے بنارس کے حاکم تھے ان کی بیٹی تھیں کم سنی میں باپ کا انتقال ہوا، ان کی والدہ ماجدہ سوت کات کر نور باغان بنارس کی عورتوں کے یہاں فروخت کر کے گذر اوقات کرتی تھیں، اتفاق سے اس محلہ کی اکثر شریف عورتیں بیوہ تھیں، اور صرف سوت ہی کاتنے پر گذر اوقات تھی، اسی وجہ سے اس محلہ کا نام کتوا پورہ رکھا گیا،

راجہ بی بی بڑی ذہین اور پر مغز تھیں، اپنی دانشمندی اور طباعی کی بنا پر امور سلطنت اپنے ہاتھ میں لیکر حسن و خوبی سے انتظامات کیئے،

فیروزہ خانم — راجہ بی بی کی ایک مصاحب خاص فیروزہ خانم تھیں، جن کو ملکہ نے گلبدن کا خطاب عطا کیا تھا، بڑی زیرک اور دانشمند تھیں،

پارچہ گلبدن — بنارس کے ریشمی ملبوسات میں "پارچہ گلبدن" بڑا مشہور ہے، جو انہی کے نام سے مشہور ہے،

راجہ بی بی ملکہ شرقیہ نے اپنی سلطنت کے زمانے میں عربی مہینوں کے نام جاہل عورتوں کیلئے اس طرح رکھے کہ ان کو بولنے میں دقت نہ ہو، اور آج تک یہ نام جاہل عورتوں میں مشہور ہیں، وہ نام یہ ہیں

محرم : دادا	جمادی الاول : مدار صاحب	رمضان : روزہ
صفر : تیرہ تیزی	جمادی الثانی : خواجہ معین الدین	شوال : عید
ربیع الاول : بارہ وفات	رجب : مہ رجب	ذی قعدہ : خالی
ربیع الثانی : گیارہویں	شعبان : شبرات	ذی الحجہ : بقرعید

بی بی راجہ کی مسجد چاندنی چوک

راجہ بی بی نے شہر بنارس کا مرکزی بازار چاندنی چوک کو قرار دیا، اور وہیں پر ایک بڑی شاندار مسجد تعمیر کرائی، جو بی بی راجہ کی مسجد کے نام سے آج بھی بلندی پر واقع اور آباد ہے، افسوس کہ سال تعمیر کا صحیح پتہ نہ لگ سکا،

سلطنت شرقیہ کا زوال

راجہ بی بی نے اپنے دور حکومت ہی میں سلطان حسین کو مستقل طور پر سلطنت کا وارث بنایا، اور سنہ ۸۸۰ھ مطابق سنہ [illegible] تک یہ حکومت قائم رہی، اس وقت تک بنارس کا شہر جون پور ہی کے دارالسلطنت میں شامل تھا،

سید غلام امین حاکم بنارس

سلطان حسین ہی کے زمانے میں سید غلام امین بنارس کے حاکم ہوئے، اور بنارس پھر جون پور کے ماتحت ہو گیا،

لیکن صرف چند ہی دنوں کے بعد شاہ بہلول لودی نے حملہ کیا، اور اس کے بعد خاندان شرقیہ کو زوال شروع ہوا، ۱۴۷۶ء میں سلطان بہلول لودی نے سلطان حسین کو شکست دے کر جونپور کی سلطنت پھر دہلی میں شامل کر لی، اور پھر بنارس صوبہ کے نام سے موسوم ہو کر دہلی کے ماتحت ہو گیا، بہلول لودی نے اپنے بھائی باربک کو یہاں کا صوبہ دار بنایا،

سلطان حسین نے ایک بار پھر کوشش کی کہ بنارس پر قبضہ کرے، چنانچہ بہار کے بہت سے زمین داروں کو ملا کر باربک کو نکال دیا اور پھر بنارس پر قابض ہو گیا، لیکن ۹۰۲ھ مطابق ۱۴۹۴ء میں شاہ سکندر لودی نے حسین کو شکست دے کر پھر بنارس و جونپور کو دہلی کی مرکزی حکومت میں شامل کر لیا،

مہاراجہ بیر سنگھ حاکم بنارس

سلطان سکندر لودی نے اپنی فتح کے بعد ۱۴۹۴ء میں عارضی طور پر مہاراجہ بیر سنگھ کو بنارس کا گورنر مقرر کیا، اور سکندر لودی نے فتح پاتے ہی مساجد و دیگر عمارات مقدسہ کو چھوڑ کر دوسری عمارتوں کے منہدم کرنے کا حکم دے دیا تھا لیکن اس علاقے کی علمی بزم اب بھی منتشر نہ ہو سکی،

اسی دور حکومت میں بنارس کے صوفی منش و شاعر کبیر داس بھی تھے، جو ۱۴۴۰ء میں پیدا ہوئے اور ۱۵۱۸ء میں وفات پا گئے،

کبیر داس | کبیر داس کے دوہے اور پہیلیاں بڑی مشہور ہیں، لیکن یہ راز آج تک نہ کھل سکا کہ یہ ہندو تھے یا مسلمان؟

لیکن عجیب بات یہ ہے کہ مسلمانوں کے تذکرہ کی کتابوں میں کبیر داس
کو ایک روحانی پیشوا کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے۔ لیکن ان کا امتیاز نہیں بتایا
گیا ہے کہ یہ ان بزرگوں میں سے ہیں جنھوں نے ہندوؤں اور مسلمانوں کے عقائد کو ملا دیا۔
تذکرہ اولیاء ہند میں انھیں شیخ کبیر جولاہہ قدس سرہ لکھا ہے اور کہا ہے
کہ یہ حضرت شیخ تقی سہروردی کے خلیفہ تھے،

بہرحال اسلام کی اشاعت کے سلسلے میں کبیر داس، گرو نانک، سوامی چیتنیہ
وغیرہ کی خدمات بھی اپنے رنگ میں کسی حد تک کامیاب رہی ہیں، ان لوگوں نے
اسلامی تصوف کے "فنا فی اللہ" کے اصول کو عام کر دیا تھا، اور اپنی برادری میں
داخل کرنے کیلئے ہندو مسلمان کی قید اٹھا دی تھی، اسی لئے ان لوگوں کے خلفاء
میں ہندوؤں کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کا نام بھی نظر آتا ہے، باقی رہی یہ بات کہ
ان صوفیوں کی شرعی حیثیت کیا تھی؟ یہ ایک ناقابل فہم بات ہے، لیکن ہمیں
مغلوب الحال صوفیوں کے حال پر ان کے مآل کو قیاس کرنا چاہئے، ورنہ
انا الحق کا نعرہ بلند کرنے والے حضرت منصور اور سبحانی ما اعظم شانی کا ترانہ گنگنانے والے حضرت
بایزید بسطامی کے متعلق ہم کیا سوچا جا سکتا ہے؟ العیاذ باللہ

کبیر داس کے متعلق ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں میں یہ روایت مشہور ہے کہ نیرو
نورباف جولاہے جا رہے تھے، لہرتارا میں ایک نوزائیدہ لڑکا زمین پر پڑا ہوا ملا،
نیرو لے کر گھر آیا، اور اپنے بیٹے کی طرح اس کی پرورش کی اور یہی بچہ بڑا ہو کر کبیر
داس کے نام سے مشہور ہوا،

کبیر داس نے رامانند کی خدمت میں چند روز رہ کر ہندی فن شاعری میں کمال
پیدا کیا اور ہندی نظم میں تصوف و معرفت کے مضامین سب سے پہلے انھوں نے بیان کئے،
اور گرو نانک نے بھی ان کی تقلید کی، کبیر داس نے اس کے بعد حضرت شیخ بھیکھ چشتی

چشتی سے خرقہ خلافت حاصل کیا، ہندو اور مسلمان دونوں گروہ ان کے معتقد تھے
اور جو ہندو ان کے سلسلے کے ہیں وہ کبیر پنتھی کہلاتے ہیں،
اور مسلمانوں کا کہنا ہے کہ حضرت شاہ محمد تقی صاحب جھونسوی سے بیعت کی،
کبیر داس کے مرنے کی یہ روایت مشہور ہے کہ مرنے سے کچھ دن پہلے مگہر میں تھے،
بجلی خاں ناظم مگہر نے مسلمان سمجھ کر اسلامی طریقے سے تجہیز و تکفین کر کے دفن
کر دیا، اور جب مہاراجہ بیر سنگھ حاکم بنارس نے موت کی خبر سنی تو بوجہ ارادت مند کا
مگہر آیا، اور قبر کھود کر لاش نکال لینے کا ارادہ کیا، جس سے مسلمان مزاحم ہوئے،
لیکن لڑنے جھگڑنے کے بعد صلح ہو گئی، قبر کھودی گئی تو لاش کا پتہ نہ تھا، اور بجائے
لاش کے پھول ملا، اور ہندوؤں نے اس پھول کو دفن کر کے سمادھی بنوا دی اور
وہ آج تک موجود ہے،

کبیر چورا کبیر داس کے نام سے بنارس میں "محلہ کبیر چورا" اور اب مشہور سڑک
"سنت کبیر روڈ" پر زنانہ ہسپتال کے عقب میں فرضی مقبرہ بھی ہے،

افغانیوں کا بنارس پر حملہ

سنہ ۹۳۳ھ مطابق سنہ ۱۵۲۶ء میں جب سلطان ابراہیم لودی کو بابر نے شکست
دی، اس وقت افغانی پٹھانوں نے بنارس کی سلطنت پر قبضہ کر لیا، جو صوبہ بہار
میں آباد ہو گئے تھے، اور دریا خاں عرف محمد سلطان نے بنارس کی سلطنت شروع کر
دی تھی، ہمایوں بادشاہ نے محمد سلطان کو شکست دی اور غازی پور کے مقامات
شاہ بابر کے نام سے فتح کر لئے، لیکن ہمایوں کے واپس جانے کے بعد پٹھانوں نے
پھر قبضہ کر لیا،

سنہ ۹۳۶ھ مطابق سنہ ۱۵۲۹ء میں شاہ بابر نے بنارس پر فوج کشی کی، اور چنار گڑھ کے قلعے سے کشتی پر شاہی فوج بنارس فتح کرتی ہوئی غازی پور اور بہار تک چلی گئی، شاہ بابر نے عبدالعلی خاں کو بنارس کا ناظم مقرر کیا، مگر اس کے واپس ہونے کے بعد پٹھانوں نے بنارس پر پھر حملہ کیا اور عبدالعلی خاں کو قتل کر کے جونپور کی سلطنت از سر نو قائم کی، اور اپنے سردار دریا خاں کے لڑکے بہار خاں کو مقرر کیا،

شیر خاں ناظم بنارس

جو آگے چل کر شیر شاہ سوری کے نام سے مشہور ہوا،

بہار خاں نے اپنے سپہ سالار شیر خاں کو بنارس کا ناظم مقرر کیا، اور آگے چل یہی شیر خاں سارے ہندوستان کا ایک نامور بادشاہ بنا،

شاہ بابر کے بعد جب اس کی جگہ ہمایوں تخت نشین ہوا تو چنار گڑھ کے قلعہ میں اپنا قبضہ جمایا، جو شیر خاں کی تحویل میں تھا، ہمایوں نے جب چنار کا قلعہ خالی کرنے کا پیغام بھیجا تو شیر خاں نے نہیں مانا، جس کے نتیجے میں ہمایوں نے اس قلعہ کا محاصرہ کیا، لیکن ناکامی کا منہ دیکھ کر دہلی واپس ہو گیا، سنہ ۱۵۳۰ء میں بابر نے وفات پائی، اور اس کی جگہ ہمایوں تخت نشین ہوا، وہ ابھی ۲۰ سال کا نوجوان تھا، اور ضرورت سے زیادہ نرم دل، اس لئے شیر شاہ نے اسے شکست دیکر ایران کی طرف بھگا دیا، اور خاندان سور کی بنیاد ڈالی، جو تقریباً ۱۵ سال تک ہندوستان میں حکمراں رہا، سنہ ۹۳۷ھ مطابق سنہ ۱۵۳۱ء میں شیر شاہ کی شاہی فوج نے چنار گڑھ کے قلعہ کا دوبارہ محاصرہ کیا، اور قلعہ فتح کر لیا، شیر خاں نے چنار سے نکل کر ... گڑھ رہتاس کے قلعوں پر

قبضہ کر لیا اور ان کے ذریعہ سے بنگال اور بہار کی سلطنت قائم کی ،

عثمان خاں حاکم اعلیٰ بنارس

شیر خاں جو آگے چل کر سارے ہندوستان کا بادشاہ بنا ، اس نے اپنی سلطنت کے زمانے میں سنہ ۹۴۶ھ میں عثمان خاں کو بنارس کا حاکم اعلیٰ مقرر کیا ،
عثمان پورہ عثمان خاں کو حکومت کے انتظامات کا بڑا اچھا سلیقہ تھا بنارس میں محلہ عثمان پورہ ان ہی کے نام سے مشہور ہے ،

میر فضل علی خاں حاکم بنارس

شیر خاں ہی کے زمانے میں بنارس کی سلطنت پر ہمایوں نے قبضہ کیا اور میر فضل علی خاں کو بنارس کا حاکم بنایا ، شاہ ہمایوں نے اس عہد نامے کی مخالفت کی جو اس کے اور شیر خاں کے درمیان ہوا تھا ، اور دوبارہ بنگال پر سنہ ۹۴۵ھ مطابق سنہ ۱۵۳۸ء میں حملہ کیا ، جس کے نتیجے میں شیر خاں نے بنارس پر حملہ کر کے سلطنت پر قبضہ کر لیا ، میر فضل علی بھی قتل کئے گئے ،

ہمایوں نے جب یہ قصے سنے تو بنگال سے شیر خاں کی سرکوبی کیلئے روانہ ہوا اور مقام چوسا میں جو تقریباً بنارس سے ۸۰ میل پورب میں واقع ہے میدان کارزار گرم ہوا شاہی فوج کو شکست ہوئی ، اور ہمایوں دہلی کیطرف بھاگ گیا ، شیر خاں نے اس کا تعاقب کیا اور قنوج میں ہمایوں کو شکست دیکر شیر شاہ کے خطاب سے سنہ ۹۴۶ھ مطابق سنہ ۱۵۴۰ء میں دہلی کا تخت نشین ہوا ،
ہمایوں کو شکست دیکر بنگال سے پنجاب تک شیر شاہ کا مکمل قبضہ ہو گیا ، شیر شاہ

اس آن بان کا آدمی تھا کہ معلوم نہیں کیا کر گذرتا، لیکن افسوس کہ عمر نے ساتھ نہیں دیا، اپنی بادشاہت کے پانچویں برس ۹۵۲ھ مطابق ۱۵۴۵ء میں بندیل کھنڈ کے مشہور قلعہ کالنجر پر دھاوا کیا تھا، کہ بارود خانہ میں آگ لگ گئی، اور اسی میں ایسا جھلس گیا کہ بچ نہ سکا، شیر شاہ کے رفاہ عام کے کارنامے زندہ جاوید ہیں، جن میں سب سے اہم چیز گرینڈ ٹرنک روڈ ہے، جو پشاور سے امرت سر، دہلی، کانپور، بنارس ہوتی ہوئی کلکتہ چلی گئی ہے، علاوہ ازیں بہت سے کنویں، سرائیں اس کی یادگار ہیں،

سلیم شاہ ابن شیر شاہ سوری | شیر شاہ کے بعد اس کا بیٹا سلیم شاہ بادشاہ ہوا، اور نو سال تک اپنے باپ کا نام زندہ کیا، اس کے بعد ۹۶۱ھ مطابق ۱۵۵۲ء میں عادل شاہ تخت پر بیٹھا، لیکن اتنا نکما نکلا کہ باپ اور دادے کی عزت خاک میں مل گئی، ہندو وزیر ہیمو بقال نے اس کو اور بھی تباہ کر ڈالا، سارے ملک میں جھگڑے فساد اٹھ کھڑے ہوئے،

یہ اوپر بتایا جا چکا ہے کہ شیر شاہ نے ہمایوں کو شکست دے کر ایران کی طرف بھگا دیا تھا، یہ ۱۵۴۰ء کا واقعہ ہے، اس کے بعد ہمایوں راجپوتانہ اور سندھ کے ریگستان میں پریشان پھرتا رہا، اور یہیں امرکوٹ کے مقام پر اکبر پیدا ہوا، پھر ایران گیا اور وہاں کا بادشاہ طہماسپ اس کے ساتھ بڑے حسن و سلوک سے پیش آیا، اور اسے فوج دی، جس کی مدد سے اس نے ۱۵۴۵ء میں قندھار اور ۱۵۵۰ء میں کابل فتح کیا، پھر ۱۵۵۵ء میں ہندوستان آیا، اور خود آکر دہلی اور آگرے پر قابض ہو گیا، پھر اس نے عادل شاہ اور ہیمو بقال کا یہ تماشہ دیکھا تو اس کیلئے یہ ایک نادر موقع ہاتھ آیا کہ حکومت کی بنیاد پھر مستحکم کرے، دہلی پر ہمایوں حملہ کر چکا تھا کہ ہیمو بقال مقابلے کیلئے آگے بڑھا لیکن ہمایوں اپنے کتب خانے کی سیڑھیوں سے پھسلا اور گر کر مر گیا،

دورِ اکبری

اکبر کی عمر ۱۳ یا ۱۴ سال کی تھی کہ جب اس کے باپ ہمایوں کا انتقال ہو گیا،
اس وقت ہمایوں اتالیق بیرم خاں کے ساتھ پنجاب میں تھا، اس نے ہیمو بقال کے
مقابلے کی خبر سن کر حملہ کیا، ہیمو پانی پت کے میدان میں گرفتار کر کے مارا گیا، یہ ۹۶۴ھ
مطابق ۱۵۵۶ء کا واقعہ ہے، اکبر نے اپنی عقلمندی اور دانائی سے بغاوتوں اور جھگڑوں
کا خاتمہ کر دیا، اور جلد ہی سارے ہند میں اکبر کا سکہ چلنے لگا، اور چالیس پچاس سال
کے عرصے میں قندھار سے لیکر آسام کی پہاڑیوں تک اور کشمیر سے حیدر آباد دکن کنارے
تک سلطنت کی حدیں پھیل گئیں، اور اس کی جڑیں اتنی مضبوط ہو گئیں کہ ڈیڑھ دو
سو برس تک مغلوں کا نام زندہ رہا،

علی قلی خاں والی بنارس:

اکبر نے اپنی تخت نشینی کے زمانے میں دہلی کی مرکزی سلطنت کو مستحکم کیا، اکبر
کے حکم سے علی قلی خاں حاکم اعلٰی دارالامارت جونپور نے ۹۶۷ھ مطابق ۱۵۵۹ء میں
شیر شاہ کے پر پوتے شیر شاہ ابن عادل شاہ کو شکست دیکر بنارس پر قابض ہوا، جو چنار
پر قابض ہو کر اس کے اطراف سلطنت پر قابض ہو گیا تھا، اور بنارس میں بھی کچھ عرصہ
تک اس کی حکومت رہ چکی تھی، علی قلی خاں کے قابض ہونے کے بعد پھر بنارس صوبہ جونپور
میں شامل ہو گیا، اکبر کی سلطنت کے زمانے میں علی قلی خاں اور بہادر خاں کا بڑا اعزاز تھا،
علی قلی خاں کے نام سے مغل سرائے کے قریب علی نگر اور بہادر خاں کے نام سے بنارس
میں گنگا کے پار بہادر پور مشہور رہے،

بنارس میں علی قلی خان کی قبر ایک اونچے چبوترے پر باقر کنڈ متصل علوی پورہ حضرت فخر الدین شہید کے مقبرہ سے قریب ہی ہے، اس پر ایک بڑا کتبہ لگا ہوا ہے، لیکن اس کے حروف بالکل مٹ گئے ہیں،

راجہ ٹوڈرمل حاکم بنارس

اکبر بادشاہ نے اپنے دور حکومت میں راجہ ٹوڈرمل کو بنارس کا حاکم مقرر کیا، اور بے شمار جاگیریں عطا کی تھیں، مدت حکومت زیادہ نہیں تھی، لیکن یہ عالمگیر کے عہد تک زندہ رہا،

عبد الرحیم خانخاناں پسر بیرم خاں صوبہ دار بنارس

اکبر بادشاہ بنگال کی فوج کشی کے ارادہ سے براہ کشتی بنارس آیا، اور یہاں تین روز قیام کرنے کے بعد براہ کشتی پٹنہ روانہ ہوا، بنگال کی فتح یابی کے بعد منعم خان خانخاناں کو وہاں کا صوبہ دار مقرر کیا، اور بنارس، جونپور، غازیپور کا خاص انتظام اپنی ذمہ داری میں لیا،

اس زمانے میں بنارس میں ایک نظامت قائم کی گئی، جس میں مرزا میر ک رضوی پھر شیخ ابراہیم سکری عہدۂ نظامت پر مامور ہوئے، ۹۸۴ھ مطابق ۱۵۷۶ء میں پھر جونپور میں صوبہ داری قائم کی گئی، اور بنارس بھی اس صوبہ داری میں شامل ہو گیا،

۹۹۷ھ مطابق ۱۵۸۹ء میں مرزا عبد الرحیم خانخاناں جونپور و بنارس کے صوبہ دار مقرر ہوئے، جن کی علم دوستی سے بنارس فیضیاب ہوا،

عبد الرحیم خانخاناں کے ہندی دوہے بہت مشہور ہیں، اور ہندی شاعری کا ایک گرانقدر سرمایہ ہیں،

تلسی داس خانخاناں کے ذکر کے بعد نا انصافی ہو گی کہ دسویں صدی ہجری کے ہندی شاعر تلسی داس کا تذکرہ نہ کیا جائے، جو نہ صرف بھاکا اور سنسکرت کا عالم تھا بلکہ عربی اور فارسی بھی جانتا تھا، فارسی کے مطالعہ نے اس کا ذوق تصوف بہت بلند کر دیا تھا، اور اس کی صوفیانہ شاعری بھی ہندی اور فارسی کے ملے جلے الفاظ کی آئینہ دار تھی،

اکبر کے متوسلین میں راجہ ٹوڈرمل بنارس میں کافی جاگیروں کا مالک تھا اسے تلسی داس سے بڑی عقیدت تھی اس کے مکانات کے نشانات اب بھی بنارس کے محلہ کچوڑی گلی میں موجود ہیں، پانچ گاؤں اس کے ماتحت تھے،

بھدینی، اندیسر، شیوپور، چھیتوپور، نہرتارا

اب یہ سب گاؤں نہیں ہیں بلکہ شہر کے اہم محلے ہیں، جہاں ٹوڈرمل کے مکانات ہیں، ٹوڈر کے مرنے کے بعد اس کے بیٹے انند رام اور پوتے کندھی میں فساد ہوا، جس میں تلسی داس حاکم مقرر ہوئے، اور ان کا فیصلہ گیارہ پشت تک قائم رہا، یہ فیصلہ فارسی میں تلسی داس نے لکھا تھا، جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ تلسی داس کو فارسی سے کتنا شغف تھا، فیصلہ یہ ہے،

اللہ اکبر[1]

چوں انند رام بن ٹوڈر بن دیورائے وکندھی بن رام بھدر بن ٹوڈر در حضور آمدہ در مواضع متروکہ تفصیل آں در ہندی مذکور است بالمشافہ دبتراضی جانبین قرار دادیم ایک صد و پنجاہ زمین زیادہ .... در مواضع بھدینی، انند رام مذکور وکندھی بن رام بھدر تجویز نمودہ بریں معنی راضی گشتہ

مہر کردہ: سبعی اللہ

---

[1] اکبر کے دور حکومت کی تمام تحریروں میں شروع میں اللہ اکبر لکھا جاتا تھا، ۱۲

قسمت اندرام — قسمت کند متی
قرعہ — قرعہ
پنورہ حصہ ٹوڈرتمام — ندیسر حصہ ٹوڈرتمام
قرعہ — قرعہ
چھیتو پورہ حصہ ٹوڈرتمام شد

بنارس میں تلسی داس کے نام سے تلسی گھاٹ ہے، جہاں اس نے راماین لکھی نیز اور بھی یادگاریں ہیں،

:- اکبر کی شاہی جاگیریں مندروں کے نام

اکبر کے دور حکومت میں بنارس کے برہمنوں کو بہت کچھ مراعات حاصل تھیں، مندروں کیلئے زمین، جائداد اور جاگیریں عطا کیں، مہاراجہ مان سنگھ نے مندر بنوایا؛ جو مان مندر کے نام سے مشہور ہے، علاوہ ازیں دوسرے راجاؤں اور امیروں نے خوب دل کھول کر پوری آزادی سے مندر بنوائے، اور اکبر کے دور حکومت میں جتنے مندر بنے اور جتنی مندروں کو جاگیریں دی گئیں اتنی کسی بھی دور حکومت میں نہ ہوئیں، جنگم باڑی بنارس کے مشہور زمین دار جنگم کو بڑی بڑی جاگیریں عطا کیں، اکبر ہی نہیں بلکہ ہمایوں نے بھی جنگم کو بڑی گرانقدر جاگیروں سے مالا مال کیا تھا، چنانچہ ہم ذیل میں ہمایوں بادشاہ کا ایک فرمان نقل کر رہے ہیں، جو ندوۃ العلماء کے پہلے اجلاس کی نمائش منعقدہ ۱۹۱۲ء کے موقع پر بنارس میں پیش کیا گیا تھا، یہ فرمان دار المصنفین اعظم گڈھ میں آج بھی موجود ہے،

:- فرمان محمد ہمایوں شاہ غازی

---

[۱] رسالہ مستانہ جوگی "لاہور" بابت اکتوبر ۱۹۳۲ء سے یہ فیصلہ نقل کیا گیا ہے، ۱۲

حکام و دیوانیان و صدیوان و کارکنان .... بنارس بدانند کہ دریں
دولا بزردہ عرض رسید کہ سی و صد بیگھہ زمین ...... موضع مذکور بموجب احکام
حکام ماضی .... من ملک ارجن جنگم بنا بر آن فرمان واجب الاذعان صادر شد
کہ آراضی مذکور بہاں ...... باید کہ حسب فرمان عمل نمودہ ہیچ آفریدہ پیرامون
آن نگردند، و تعرض نرسانند .... و اصلا و قطعاً مزاحم آں زمین
نشوند .... بتقدیم رسانند .... تحریر ....

فرمان اکبر بادشاہ

اللہ اکبر

(نشان مہر)

چوں سابقاً حسب فرمان عالی شان موازی چار صد و ہشتاد بیگھہ زمین از
پرگنہ ...... بنارس در وجہ معاش مطیع الاسلام ملک ارجن و جنگم
مقرر بود، و دریں دولا بعرض اشرف اقدس رسید حکم جہاں مطاع صادر شد
کہ من ابتدائے خریف سی بیل (ایک ترکی مہینے کا نام ہے) از جملہ آراضی مذکور
موازی .... بجناب بانس از بجاب عمل سابق حسب الصلاح عمدۃ الملک
رکن السلطنۃ راجہ ٹوڈرمل در وجہ مدد معاش مشار الیہا مقرر باشد کہ حاصلات
آنرا سال بسال متصرف شدہ بدعا گوئے دوام دولت اشتغال نماید ۔
می باید کہ حکام و کروریان و جاگیرداراں حال و استقبال پرگنہ مذکورہ زمین
.... از محل قدیم پیمودہ و چک بستہ بتصرف او گذارند و بہ علت مال
و جہات و سائر ...... چوں قنلود و پیشکش و دہ نیم و مہرانہ و محصلانہ و جریبانہ
و دیگر الہ زراعت و کل تکالیف دیوانی ....

اس فرمان سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہمایوں کے زمانے میں جس قدر جاگیر مقرر تھی، اکبر نے اپنے زمانے میں اس پر اضافہ کر دیا۔ ابھی حال ہی میں جنگم باڑی کے ایک متولی نے ان تمام فرامین کا عکسی فوٹو لیکر کتابی شکل میں شائع بھی کر دیا ہے،

ایک عجیب بات یہ ہے کہ اکبر کے ان فرمانوں میں جو ہندوؤں کے نام ہیں، ان کو مطیع الاسلام (اسلام کے فرمانبردار) کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے ایہ بات ضرور تسلیم کیجا سکتی ہے کہ اکبر ہندوؤں کی نہایت خاطرداری کیا کرتا تھا، اور اس کے نتیجے میں ہندو مطیع الاسلام کے لقب سے ایک طرح کا فخر محسوس کرتے تھے، اکبر کے فرمان میں یہ بھی لکھا ہے کہ راجہ ٹوڈرمل کی سفارش سے یہ فرمان عطا ہوا، غالباً یہ لقب ٹوڈرمل اور دیگر ہندو امرا کی سفارش سے قرار پایا ہوگا،

بنارس میں اکبر کا دور حکومت جس قسم کا گذرا ہے وہ مذہبی آزادی کا ایک مثالی دور تھا، ہندوؤں کو بڑی بڑی مراعات حاصل تھیں، اور ہندو اتنے خوش تھے کہ جان ہتھیلی پر رکھے رہتے تھے، راجہ مان سنگھ جس کی.... اجازت اور خاص مہربانی کی بنا پر بنارس میں مان مندر بنوایا تھا، جب ۱۵۸۶ء میں بہار کا گورنر ہو کر جانے لگا، اور اکبر نے بیعت کا ذکر کیا تو اس نے صاف جواب دیا کہ حضور! اگر مریدی سے مراد جاں نثاری ہے تو آپ دیکھتے ہیں کہ جان ہتھیلی پر رکھے ہوئے ہوں، امتحان کی حاجت نہیں، اگر کچھ اور ہے اور حضور کی مراد مذہب سے ہے تو ہندو ہوں فرمایئے! مسلمان ہو جاؤں، اور راستہ میں جانتا نہیں کہ کون سا اختیار کروں، چنانچہ اکبر ٹال گئے، (دربار اکبری ص ۶۵۵)

دین الٰہی کا رواج بنارس میں!

۱۵۸۲ء میں اکبر نے دین الٰہی کی بنیاد رکھی، اس دین الٰہی کے متعلق صحیح

تفصیلات بہم پہونچانا بہت مشکل ہے، اس لئے کہ اکثر و بیشتر روایات مبالغہ سے بھری ہوئی ہیں، دین الٰہی کے پیرو السلام علیکم کے بجائے اللہ اکبر کہتے تھے، اور وعلیکم السلام کے بجائے جل جلالہ، اور اکبری مہر کے سجع میں اللہ اکبر کھدا ہوا تھا، بعض لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ اکبر اس طریقے پر رائج کر کے خدائی کا دعویٰ کرنا چاہتا تھا، حالانکہ یہ بات نہیں تھی، چنانچہ اس مہر کے متعلق حاجی ابراہیم سرہندی نے کہا کہ اس میں شبہ پڑتا ہے، اکبر نے کہا یہ شبہ نہیں بلکہ وہم اور وسوسہ ہے، بندہ ضعیف، عاجز، محتاج خدائی کا دعویٰ کیونکر کر سکتا ہے؟

اکبر کی زندگی کے ابتدائی دور تو بڑے غنیمت تھے، پنجوقتہ نمازوں کا پابند تھا، مسجد میں اذان خود دیتا تھا، یہاں تک کہ جھاڑو بھی مسجد میں اپنے ہاتھ ہی سے دیتا، ہر سال پیدل اجمیر شریف جاتا، اور منتیں مرادیں مانگتا تھا، علماء کی بڑی عزت کرتا تمام فیصلے اسلامی احکام کے مطابق کرتا، لیکن اس کے دربار کے علماء اس وقت بری طرح زبانوں کی تلواریں کھینچ کر پلے پڑتے تھے، کٹ مرتے تھے، اور آپس میں ایک دوسرے کو کافر بناتے تھے۔

اکبر نے ان علماء کا حال دیکھا تو اس کا دل کھٹا ہو گیا، اور دن بدن اسلام سے اس کی رغبت کم ہوتی گئی، اور یہی سبب تھا کہ اس نے دین الٰہی کے نام سے ایک خود ساختہ مذہب کی بنیاد رکھی، اکبر بہر حال خدا کی وحدانیت کا قائل تھا، لیکن اس دین الٰہی میں بڑی گنجائش تھی، ہندو اور مسلمان دونوں شامل تھے، اس موقع پر ایک انگریز مصنف ونسنٹ اسمتھ صاحب نے تو یہ ثابت کیا ہے کہ دین الٰہی کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں تھا، حالانکہ اس دین الٰہی کے متعلق اکبر ہی کے زمانے میں اختلاف تھا، بدایونی صریحاً کفر کہتا تھا، ابو الفضل کہتا تھا کہ اسلام کی ایک صورت ہے، نیتوں کا حال تو خدا ہی کو معلوم ہے، لیکن مذکورہ بالا حقائق کی روشنی میں صریحاً کفر کا اطلاق

بھی صحیح نہیں، یہ سب اکبر کی سادہ لوحی کے نتائج تھے، لیکن اتنا ضرور ہے کہ مذہبی رواداری اور ہندو مسلم اتحاد کے سلسلے میں اکبر کی کوششیں بڑی کامیاب رہیں،

اکبر کی موت کا واقعہ بھی عجیب و غریب ہے جس سے اس کی سادہ لوحی پر ایک روشنی پڑتی ہے گو اس واقعہ کا بنارس کی تاریخ سے کوئی تعلق نہیں ہے، صرف یہ دکھلانا مقصود ہے کہ اس کی یہ سادہ لوحی اس کے حق میں جان لیوا بھی ثابت ہوئی، واقعہ یہ ہے کہ:

اکبر کے دربار میں ایک بڑا ماہر طبیب حکیم علی بلایا گیا، اکبر کو دست کی شکایت تھی اور کسی طرح دست رکتے ہی نہیں تھے، حکیم نے اپنے کیسہ سے دوا نکالی، "در کوزۂ آب انداخت فوراً بستہ شد" یعنی دوا پانی کے پیالے میں ڈالتے ہی پانی برف کی طرح جم گیا، حکیم علی نے اکبر کو دکھا کر کہا کہ دوائیں تو ہمارے پاس ایسی ہی ہیں کہ پانی میں اثر کرتی ہیں اور پانی برف کی طرح جم گیا، لیکن اب آپ پر اثر نہ کرے تو میں کیا کروں، بادشاہ نے حکم دیا کہ یہی دوا مجھے دو، حکیم علی نے انکار کیا لیکن اس ضدی اکبر نے نہ مانا، اس کو استعمال کیا، دست تو رک گئے، لیکن اب قبض ایسا پیدا ہوا کہ وہ بھی ناقابل برداشت تھا، پھر دست کی دوا دی گئی، یہاں تک کہ "اطلاق زیادتی کرد تا در گذشت" دست زیادہ ہوئے اور مر گیا، (مآثر الامراء) یہ حکیم علی بڑا ماہر فنون تھا، اس نے ایک طلسمی تالاب بنایا تھا جس میں غوطہ مارنے کے بعد آدمی کو سیڑھیاں ملتی تھیں، ان سیڑھیوں سے نیچے اترنے کے بعد ایک فرش فروش کے سجے سجائے کمرے میں آدمی داخل ہو جاتا جس میں دس بارہ آدمی کے اٹھنے بیٹھنے کی گنجائش تھی، دسترخوان چنا ہوا رہتا تھا، اور طاقوں میں کتابیں رکھی ہوتی تھیں، اکبر بادشاہ بھی اس تالاب میں گیا تھا، اور جہانگیر نے تزک جہانگیری میں اپنا دیکھا ہوا مشاہدہ بیان کیا ہے،
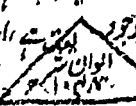
حکیم علی نے ایک چراغ بھی بنایا تھا، جس سے حمام چوبیس گھنٹے گرم رہتا تھا اور چراغ نہیں بجھتا تھا۔

جامع مسجد گیان باپی

اکبر کے دور حکومت میں یہ مسجد کی یہ جامع مسجد دین الٰہی کا مرکز بنی ہوئی تھی، یہ تو کوئی بھی تاریخ نہیں بتاتی کہ اس مسجد کا سنگ بنیاد کب رکھا گیا؟ لیکن یہ بات بالکل مسلم ہے کہ جامع مسجد اکبر بادشاہ کے وقت میں تعمیر ہو چکی تھی جس کا ایک تاریخی ثبوت یہ ہے کہ اکبر کے دور حکومت میں بنارس کے ایک مشہور بزرگ اور ولی حضرت مخدوم شاہ طیب بنارسی رجن کا مزار منڈواڈیہہ میں ہے اس جامع مسجد میں جمعہ کی نماز پڑھنے کیلئے ہر جمعہ کو منڈواڈیہہ سے تشریف لاتے تھے، اور اس سلسلے میں ایک واقعہ بھی گنج ارشدی میں درج ہے، وہ یہ کہ ایک مرتبہ حضرت مخدوم شاہ طیب بنارسی جمعہ کے دن جامع مسجد میں موجود تھے، خطیب نے خطبہ میں اکبر کا نام لیا، حضرت شاہ طیب نے صرف یہ سوچ کر کہ خطبہ میں کافر کا نام لیا گیا، خطیب کو منبر سے اتارنا چاہا لیکن حضرت مولانا خواجہ کلاں اور دوسرے بزرگ بھی وہاں موجود تھے، ان لوگوں نے روک دیا، اور یہ کہا کہ اگر اکبر کو خبر لگی تو ہمارے مکانوں کو تاراج کر دیگا اس لئے مصلحت یہی ہے کہ یہاں نماز پڑھنے کے بجائے منڈواڈیہہ ہی میں پڑھ لیا جایا کرئیے، (گنج ارشدی)

اس جامع مسجد کی اکبر بادشاہ کے وقت میں کیا صورت تھی؟ اس کا پورا اندازہ نہیں لگ سکتا، لیکن اوپر کے واقعہ سے یہ بات معلوم ہوتی کہ اکبر کے زمانے میں یہاں جمعہ کی نماز اور امام وجماعت کا اہتمام تھا،

لیکن اکبر بادشاہ کے زمانے میں اس جامع مسجد کے متعلق اور کوئی اہم بات نہیں معلوم ہوتی، اور نہ یہاں کسی مندر کے وجود کی بات بنتی ہے،

اکبر کے بیٹے جہانگیر کے وقت میں کوئی خاص بات نہیں پیدا ہوئی، لیکن جہانگیر کے بیٹے شاہجہاں نے اپنے دورِ حکومت میں اس مسجد میں ایک مدرسہ تعمیر کیا، جس کا تاریخی نام "ایوانِ شریعت" ہے[1]، ۱۰۴۸ھ سالِ تعمیر نکلتا ہے،

شاہجہاں کے ذوق سے امید بھی یہی کیجا سکتی ہے، جبکہ اس نے ہندوستان کے اس پوربی علاقے کا نام ہی بشیر از ہند رکھ دیا تھا، البتہ عالمگیر اس جامع مسجد کو کیوں چھوڑتا، اس نے اپنے جلوس سلطنت ۱۰۶۸ھ کے دوسرے ہی سال اس کیطرف پوری پوری توجہ کی، اور اتنی بڑی عالیشان عمارت کھڑی کر دی، یعنی موجودہ عمارت اکبری دور کی جامع مسجد کی بنیاد پر ہے،

عام طور سے لوگ اس مسجد کو گیان باقی کہتے ہیں، جو بالکل غلط ہے، صحیح لفظ گیان باپی ہے، یہ نام پڑنے کی وجہ بھی خوب رہی "گیان" کے معنی عقل اور باپی کے معنی "باؤلی" کے ہیں، پورا ترجمہ یہ ہوا "عقل کی باؤلی"

گیان باپی محلہ کا نام ہے، اسی مناسبت سے مسجد اسی محلہ کیطرف منسوب ہے، گیان باپی نام پڑنے کی وجہ یہ بھی بیان کیجاتی ہے کہ ہندوؤں کے مہادیو جی گو بظاہر پتھر ہیں لیکن اپنی عقل کے زور سے ایک باؤلی میں (جو یہیں کسی جگہ تھی) چلے گئے پھر واپس نہیں ہوئے، یہ روایت زبانی مشہور ہے،

جامع مسجد گیان باپی کے متعلق عام طور سے لوگ غلط فہمی میں مبتلا ہیں،

---

[1] حسن اتفاق سے وہ سہ رخا پتھر جس پر ایوانِ شریعت کندہ تھا اور اس پر سالِ تعمیر ۱۰۴۸ھ بھی لگا ہوا تھا، کھنڈرات میں دستیاب ہوا ہے، جس کی شکل یہ ہے،

یہ پتھر انجمن انتظامیہ مساجد کے دفتر میں موجود ہے، اب بھی یہ مدرسہ مسجد کے دالان میں قائم ہے، اور عربی، فارسی کے نصاب کی کتابیں پڑھائی جاتی ہیں، اس مدرسہ پر حیولی خانم کی جائداد وقف ہے،

ایوانِ شریعت ۱۰۴۸

مثلاً یہ کہتے ہیں کہ مندر توڑ کر بنائی گئی ، پھر یہ غلط ہی تو اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ عالمگیر نے بنوائی ، حالانکہ ہم نے اوپر ان غلط فہمیوں کی صفائی کر دی ، جن لوگوں کا یہ خیال ہے ان کے پاس اپنے دعویٰ کی تائید میں کوئی دلیل نہیں ہے ، قدیم سے قدیم روایات میں بھی اس جگہ مندر ہونا ثابت نہیں ہے ،

عالمگیر آج سے تقریباً ۳۱۰ سال قبل تخت پر بیٹھا اور یہ مسجد ۴۰۰ برس قبل ہی سے موجود ہے اس بنا پر عالمگیر کو کسی طرح اس کا بانی سمجھنا صحیح نہیں ہے بعض لوگوں کو اس کتبہ سے شبہ ہوتا ہے جو انگریزوں کے زمانہ حکومت میں سید میراث علی نے جو اس کے متولی تھے ۱۲۷۰ھ میں نصب کرایا ، یہ کتبہ جامع مسجد میں رکھا ہوا ہے ،

"اول بحکم والا در سنہ ۲ از جلوس حضرت عالمگیر خلد مکان این جامع مسجد .....

تیار شدہ ، العبدہٗ در ۱۲۷۰ھ سید میراث علی متولی موروثی مسجد موصوف مرمت صحن وغیرہ نمود"

ظاہر ہے کہ یہ کتبہ بہت بعد کا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عالمگیر کے تخت سلطنت پر بیٹھنے کے دوسرے سال ہی موجودہ جامع مسجد تعمیر ہوئی ، ورنہ بنیاد تو اکبر ہی کے وقت میں قائم ہوئی ، اور اس وقت بھی یہ جامع مسجد موجود تھی ،

اس مسجد میں انگریزوں کے ابتدائی دور حکومت میں بھی جمعہ وجماعت کا انتظام تھا لیکن پھر بھی یہ خانہ خدا مسلمانوں کی غفلت اور بے توجہی کا شکار تھا ،

یہ بھی ایک حسن اتفاق تھا کہ عین اس بدحالی ہی کے زمانے میں تقریباً ایک سو پچاس برس پہلے مولانا رحمت اللہ صاحب محدث دہلوی بنارس آئے جو حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی کے حلقہ درس سے فارغ ہوئے تھے ، مولانا نے اس مسجد میں جمعہ وجماعت کا انتظام کیا ، اور مولانا قطب الدین صاحب فرنگی محلی بھی اتفاق سے بنارس تشریف لائے ، اور ایوان شریعت کی مسند درس کے صدر نشین بنے ، اور جمعہ کی نماز کیلئے بھی امامت قبول فرمائی ،

مولانا قطب الدین فرنگی محلی کا انتقال بنارس ہی میں ہوا، ان کے بعد ایک دوسرے بزرگ مولانا عبد الصمد صاحب بنارسی امام مقرر ہوئے، ان کے انتقال کے بعد مولانا محمد اکرام صاحب امام ہوئے، ان کے انتقال کے بعد ۱۳۲۹ھ سے خاکسار مصنف کے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد ابراہیم صاحب مدظلہ اس منصب پر فائز ہوئے اور ۳۳ سال سے اس منصب پر فائز ہیں، لیکن ۵ سال کی طویل علالت نے بے دست و پا بنا دیا ہے، اور خاکسار تقریباً ۵ سال سے یہ خدمت انجام دے رہا ہے، اللہ تعالیٰ موصوف کا سایہ تا دیر قائم رکھے، (آمین)

شاہ جہانگیر ابن اکبر بادشاہ

اکبر کے بعد اس کا بیٹا ابو المظفر نور الدین جہانگیر تخت پر بیٹھا، جہانگیر باوجودیکہ بہت ہی ناز و نعمت کیساتھ پلا تھا، پھر بھی اتنا سلیقہ مند تھا کہ بیس بائیس برس تک سلطنت تھمی ہوئی تھی، جہانگیر اپنے باپ کے مقابلے میں بڑا دیندار تھا، اور اس بادشاہ پر عام مورخوں نے عیش پرستی کے الزامات لگائے ہیں، اگر بالفرض وہ صحیح بھی ہوں تو ان سے اس کی زندہ خدمات پر کیا اثر پڑتا ہے۔

خواجہ محمد صالح حاکم بنارس

جہانگیر کے زمانے میں ۱۰۱۶ھ مطابق ۱۶۰۷ء میں میر محمد باقر خاں حاکم اعلیٰ کی ماتحتی میں خواجہ محمد صالح بنارس کے حاکم مقرر ہوئے، جن کے نام سے بنارس میں "خواجہ پورہ" مشہور ہے، اور محلہ جیتن پورہ میں ایک کنواں تعمیر کرایا جو خوجہ کنواں کے نام سے مشہور ہے۔

محمود کی مسجد: محمّن پورہ میں خواجہ محمد صالح نے ۱۰۲۶ھ میں یہ مسجد جہانگیر بادشاہ کے حکم سے تعمیر کرائی، یہ مسجد بڑی خوش نما اور بارونق ہے، اور اب تو جدید تعمیر نے اس مسجد کی دلکشی میں اور بھی اضافہ کر دیا ہے، محراب کے اوپر ایک شاندار اور خوشخط نستعلیق کتبہ لگا ہوا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اکبر کے دین الٰہی کی تحریک جہانگیر کے عہد میں مردہ ہو چکی تھی، اور دین احمد کا رواج ہوا، کتبہ یہ ہے:

۱۔ شاہ نورالدین جہانگیر ابن اکبر شہ کہ است	سایۂ حق، حامی دین، خسرو ملک رقاب
۲۔ صورت اتمام بگرفت این بنا در عہد آں	بادبا قی در جہاں تا موعد یوم الحساب
۳۔ شد رواج دین احمد در بنارس زین مقام	صالح آمد بانی این مسجد عالی جناب
۴۔ از خرد این کرد ظاہر سال تاریخش سوال	خانۂ حق، قبلۂ دین نبی، گفتا جواب
کتبہ: عبدالشکور بن عبدالرحیم روشن قلم	۱۰۲۶ھ

(ترجمہ:) ۱۔ شاہ نورالدین جہانگیر جو اکبر کے بیٹے، حق کے سایہ، دین کے حامی اور غلاموں کے ملک کے بادشاہ ہیں۔ ۲۔ یہ بنیاد انہی کے عہد میں مکمل ہوئی، اور یوم الحساب (قیامت) تک یہ جہاں میں باقی رہے، ۳۔ بنارس میں اس جگہ سے دین احمد کا رواج ہوا، اور اس عالیشان مسجد کے بانی محمد صالح ہیں، ۴۔ عقل سے جب ظاہر نے اس کی تاریخ کا سال پوچھا تو "خانۂ حق، قبلۂ دین نبی" جواب ملا،

شاہجہاں

جہانگیر کے انتقال کے بعد اسکا بیٹا شاہزادہ خرم جو شاہجہاں کے لقب سے مشہور ہوا تخت پر بیٹھا، اس کے زمانے میں ہندوستان کو کافی ترقی ہوئی، ملک کی آمدنی میں سے صرف مالگذاری ساڑھے سینتیس کروڑ تک پہونچ گئی، قسم قسم کی عمارتیں تعمیر ہوئیں، آگرہ کا تاج محل، دلی کا لال قلعہ اور جامع مسجد خوش ذوقی کی گواہ ہیں، ان خوبیوں کے ساتھ حکومت کو بھی کافی ترقی ہوئی،

شاہجہاں کے دور حکومت میں بنارس میں کشمیری بازار کی مسجد تعمیر ہوئی، لیکن زوال سلطنت کے بعد منہدم ہوگئی تھی، انگریزی دور میں شیخ نثار اللہ عباسی کوتوال نے دوبارہ تعمیر کرائی اور یہ کتبہ نصب کرادیا:

از محمد باقر درویش دل	مسجد خوش در بنارس شد تمام
در زمان سلطنت شاہجہاں	یافت ترتیب ایں چنیں عالی مقام
سال تاریخ بنا کس زغیب	گفت ہاتف مسجد عیش دوام

۱۰۴۸ھ

یہ کتبہ مسجد کی پہلی تعمیر کے وقت تھا اور بجنسہٖ محراب میں نصب کردیا گیا ہے،

محمد شریف حاکم بنارس

شاہجہاں نے اپنی حکومت کے زمانے محمد شریف کو بنارس کا حاکم مقرر کیا، شاہجہاں کے بعد اسکا بیٹا عالمگیر ۱۰۶۸ھ میں جب تخت پر بیٹھا تو اس وقت بھی محمد شریف بنارس کے حاکم تھے،

۱۰۶۸ھ میں شاہجہاں بیمار ہوا، اس وقت بڑا شاہزادہ دارا شکوہ دہلی ہی میں اسکے پاس تھا، جو کافی ناز و نعمت پروردہ تھا، دوسرا بیٹا شجاع بنگال کا صوبہ دار تھا سب سے چھوٹا مراد گجرات میں تھا، اورنگ زیب مزاج و عادات میں تینوں بھائیوں سے بالکل الگ تھا، ادھر یہ خبر پھیلنے لگی کہ شاہجہاں کا انتقال ہوگیا، اب ہر بھائی نے آگرہ کا رخ کیا، اور شجاع کو جیسے ہی پتہ چلا وہ بھی روانہ ہوگیا، اسی زمانے میں عالمگیر نے ۱۰۶۸ھ میں دہلی کی مرکزی سلطنت پر قبضہ کیا، اور شجاع پر فوج کشی کرکے کھجوا ضلع فتح پور میں شکست دی، اور بنارس اس کی سلطنت میں داخل ہوگیا،

اورنگ زیب عالمگیر

عالمگیر کے زیر حکومت ہو جانے کے بعد اسی سال شجاع نے بنارس پر حملہ کیا، گنگا کے اس پار بہادر پور میں دارالشکوہ کی فوج سے مقابلہ ہوا، دارا شکوہ کی فوج کا سپہ سالار جے سنگھ تھا، اس جنگ کے نتیجے میں شجاع شکست کھا کر بھاگا، دوسرے سال دارا شکوہ کو عالمگیر نے شکست دی، اور شجاع نے موقع پاکر بنارس پر حملہ کر دیا، اور دارا شکوہ کے قلعہ دار رام داس کو نکال کر شہر کے مہاجنوں سے روپیہ وصول کر کے الہ آباد کے محاصرہ کیلئے روانہ ہوا

دارا شکوہ

دارا شکوہ نے بنارس میں وہ مثالی خدمات انجام دیں جو کسی بادشاہ نے کبھی نہیں دیں، آگو آپس کے جھگڑوں نے اس کو تخت پر بیٹھنے نہیں دیا لیکن اس نے اپنے باپ شاہجہاں ہی کے عہد سے متعدد علمی کام کئے جن کا تعلق بنارس ہی سے ہے اس بنا پر دارا شکوہ کے تذکرہ سے یہ کتاب خالی رہنا بے انصافی ہوگی۔

شاہجہاں کے چاروں بیٹے ایک ہی ماں (ممتاز محل بیگم) سے تھے، بڑا بیٹا بھی دارا شکوہ تھا، عربی و فارسی کی تعلیم باقاعدہ حاصل کی تھی، اور ان پر شمل اہل زبان کے عبور تھا، سنسکرت کی تعلیم بنارس کے مشہور پنڈتوں سے حاصل کی تھی، اور ان کے قیام کیلئے بنارس میں عمارتیں بنوادی تھیں جو آج بھی موجود ہیں، الدہ سرائی عدالت کے نام سے مشہور ہیں۔

شاہزادہ دارا شکوہ کا علمی ذوق بہت بڑھا ہوا تھا اور فن خوش نویسی میں بھی ماہر تھا، اس کے لکھے ہوئے فارسی قطعے اکثر لائبریریوں میں موجود ہیں، جن کے نیچے لکھا ہوا ہے " حررہ دارا شکوہ "

دارا شکوہ کو تصنیف و تالیف کا بڑا اچھا سلیقہ اور ذوق تھا، سفینۃ الاولیاء مجمع البحرین، سترِ اسرار حق وغیرہ اس کی بڑی بے مثال تصانیف ہیں۔

اولیاء کرام سے اسے بڑی عقیدت تھی، ان کے تذکروں سے ان کی عقیدت ظاہر خود بھی صوفی تھا، اور توحید کا پجاری تھا، اس زمانے کے مرتاض بزرگوں سے اسکے تعلقات تھے، بالخصوص حضرت شاہ محب اللہ صاحب الٰہ آبادی سے بڑی عقیدت تھی، چونکہ اس کا عقیدہ "ہمہ اوست" تھا، اس لیے علمائے شریعت اسکے مذہبی عقائد سے بہت بدظن تھے۔

بیاس جی نے جو چار وید مشہور کر رکھے تھے، وہ ہندوؤں کے زمانۂ قبل **کا ترجمہ** ۔ یہاں سے گم ہو گئے تھے، ہندوؤں کی ہزاروں سلطنتیں گذر گئیں، مگر کسی نے بھی اس کی جانب کوئی توجہ نہ کی، شاہزادہ دارا شکوہ نے کاشی اور کشمیر کی سیر کرنے کے بعد ۱۶ سال کی مدت میں تمام اپنشدوں (ویدوں) کا فارسی ترجمہ کر دیا، اس خدمت پر ایک سو پچاس پنڈت اور سنیاسی رکھے گئے تھے، اوپنشد (وید) کے نسخے کے آخر میں یہ عبارت درج ہے:-

"ایں ترجمہ اپنکہاتہائے ہر چہار بید کہ موسوم بہ سر اکبر است کو تمام نور الانوار .... محمد دارا شکوہ در مدت شش ماہ آخر روز شنبہ بیست و ششم ماہ رمضان سنہ ہجری یک ہزار و شصت و هفت ۱۰۶۷ ه و سبقت در شہر دہلی در منزل نگبود با تمام رسانیدہ"[1]

اس کتاب کے دیباچہ سے ایک بحث طلب مسئلہ حل ہو جاتا ہے کہ عالمگیر نے دارا شکوہ کے مقابلہ کا قصد کیا تو اسکا سبب یہ ظاہر کیا کہ دارا شکوہ بدعقیدہ اور بد دین ہے اس لیے اگر وہ ہندوستان کا فرمانروا ہو گیا تو ملک میں بے دینی پھیل جائیگی، اکثر مؤرخوں کا یہ خیال ہے کہ یہ محض ایک فریب تھا، نہ دارا شکوہ بے دین تھا اور نہ عالمگیر کی مخالفت کا یہ سبب تھا۔

[1] اکبر پرکاش از منشی کلمیا لال ۱۲

دارانگر، کٹرہ داراشکوہ، باغ داراشکوہ یہ سب داراشکوہ ہی کے نام سے یادگار ہیں۔

مسجد قدم رسول: عالمگیر ہی کے دور حکومت میں محمد شریف حاکم بنارس نے ۱۰۷۷ھ مطابق ۱۶۶۶ء میں مسجد قدم رسول کی تعمیر کرائی جو تیلیا نالہ میں موجود ہے، عرصہ دراز گذرنے کے بعد منہدم ہو گئی تھی، اور ۱۳۳۷ھ مطابق ۱۹۱۸ء میں اس کی از سر نو مرمت ہوئی، مسجد کے اندر دیوار کے چاروں طرف اسی عہد کا کتبہ لگا ہوا ہے۔

زہے بلند بنا مسجد شرف افزا ۔۔۔ کہ حق پرست محمد شریف کردہ بنا
بنہ بسجدہ سر اینجا کہ آفتاب منیر ۔۔۔ چو سر بسجدہ بفرسود شد جہاں آرا
لدہ رواں تو چہ راہ بہشت می پرسی ۔۔۔ رہے ست بنگر ایں راست تا بہشت خدا
چہ سر تویست در اینجا کدام پائے و چہ سر ۔۔۔ کہ بہر سجدہ شد سر بر آستان علا
بلند قدرے زہے افتادہ گے بخاک زمیں ۔۔۔ کہ آفتاب نہد سر ز پشت بام شما
شرف بود خاکی کہ شد بنا مسجد ۔۔۔ سرش بعرش علامی رسد ز تحت ثریٰ
نہ ہر کسے بگذرد نہ سر بخاک نہ چوں آب ۔۔۔ کہ شد ز لطف خدا خلق را حیات افزا
نہ بس کہ بر ہمہ دارد بروزگار سراف ۔۔۔ سخن بجبہہ مسجد نوشتہ شد بطلا
پئے دعا بر آرید از آستینہا دست ۔۔۔ امید ہست مرا ہم دعا ز لطف شما
بسجدہ گاہ خدا را بجو کہ می یابی ۔۔۔ کہ ہست سجدہ گہ مومناں مکان خدا

دلم چو خواہش تاریخ کرد، ہمی گفت
زہے بنائے مبارک مکان جود خدا
۱۰۷۷ھ

راقمہ: مرزا محمد ابن محمد شریف

قدم رسول۔ اس مسجد کے ایک حجرہ میں قدم رسول کا نشان بتایا جاتا ہے، ایسے علم خدا ہی کو ہے، ایک پتھر پر نشان موجود ہے، حجرہ کے دروازے پر محمد شریف ہی کے دور حکومت کا یہ کتبہ موجود ہے،

دریاب جہاں قدر دولت اینجاست ۔۔۔ نقش قدم ختم نبوت اینجاست

مسجد دھرھرہ ۔ "دھرھرہ" دیوہرہ کا بگڑا ہوا لفظ ہے، جمنا کے کنارے کا ایک محلہ ہے، اور مادھوراؤ کیطرف منسوب ہے، اس مسجد کی بنیاد عالمگیر بادشاہ کے وقت میں رکھی گئی، لیکن اس کی باقاعدہ تعمیر ۱۱۹۸ھ مطابق ۱۷۸۳ء میں شاہ عالم بادشاہ کے دورِ حکومت میں نواب نصیر الدولہ علی ابراہیم خاں بہادر حاکم بنارس کی نگرانی میں ہوئی، پھر محکمہ تحفظ آثار قدیمہ کی جانب سے ۱۲۔۔ھ میں اس کے صحن اور پشتہ وغیرہ کی تعمیر ہوئی، جیسا کہ محکمہ آثار قدیمہ نے یہ دو کتبے بھی لگا دئے ہیں:۔

هو الاحد

(۱) "در سلطنت شاہ عالم بادشاہ بامداد امیر الممالک عماد الدولہ گورنر جنرل مسٹر ہسٹنگس بہادر جلادت جنگ سنہ یک ہزار و یکصد و نود و ہشت ہجری نصیر الدولہ علی ابراہیم خاں حاکم بنارس تعمیر و مرمت نمود "

(۲) " بموجب حکم صاحبان کمپنی حسب الارشاد نواب گورنر جنرل بہادر در اجلاس کونسل برائے تعمیر و ترمیم عمارات و درستگی و آراستگی طرق و شوارع بلدہ بنارس معین و مقرر اند، باہتمام مسٹر پرنسپ بہ نسبت صاحب مسجد ہٰذا کہ از زیر تا بالا شکستہ و خراب شدہ بود، در عرصہ دو سال انتہائے ۱۲۔۔ھ لغایت ۔۔۔ در صحن مسجد فرش مصفا ہائے سنگ، و چہار پشتہ ہائے رفیع سنگ طرف دریائے گنگ، و رہائے وسیع و بناہائے رفیع و تیاری صحن ۔۔۔ ترمیم و تعمیر یافت "

اس مسجد کی بڑی شان و شوکت اسکے دو میناروں کے دم سے قائم تھی، لیکن افسوس کہ اب یہ دونوں مینار نہیں ہیں، اس کتاب میں ان دونوں میناروں کا فوٹو لگا دیا گیا ہے، جس سے ناظرین اندازہ کر سکتے ہیں، یہ دونوں مینار گنگا کی سطح سے دو سو فیٹ اونچے تھے، اور ان پر چڑھنے سے تمام شہر کی آبادی دکھلائی دیتی تھی، اور

ایک عجیب سماں پیدا ہوتا تھا، جنوبی مینار ۸ محرم ۱۳۶۹ھ مطابق ۳۱ اکتوبر ۱۹۴۹ء ۱ بجے رات کو اچانک منہدم ہو گیا، اور دوسرا مینار خود اس قدر مخدوش تھا کہ محکمہ آثار قدیمہ نے منہدم ہونے کے خوف سے اتار دیا۔

اس مسجد میں جمعہ و جماعت کا مستقل انتظام نہیں ہے، حضرت مولانا رضا علی صاحب قطب بنارسی یہاں کے امام جمعہ تھے اور ساری زندگی بڑی خوبی کے ساتھ یہ فریضہ انجام دیتے رہے، پھر ان کے انتقال کے بعد یہ مسجد پھر آباد نہ ہو سکی، صرف رمضان شریف میں تراویح کا انتظام ہوتا ہے۔

ابوالحسن حاکم بنارس

شریف حاکم بنارس کے انتقال کے بعد عالمگیر کی طرف سے ابوالحسن بنارس کے حاکم مقرر ہوئے، اور بنارس کا نام عالمگیر نے محمد آباد رکھا، جیسا کہ عالمگیر کے تمام فرامین میں محمد آباد عرف بنارس لکھا ہوا ہے۔

ابوالحسن حاکم بنارس کے عہد میں عالمگیر کے بہت سے تاریخی آثار قائم ہوئے، یہ دور انگریز مصنفین اور ان کی تقلید میں انگریزی خواں طبقہ کی نظر میں بڑا تاریک ہے، حالانکہ یہ ہندوستان کی تاریخ میں رواداری اور جمہوریت کا ایک روشن اور سنہرا دور ہے، اگر کوئی عالمگیر کے وقت کی تاریخیں جو ہندوؤں نے لکھی ہیں اس حقیقت کو جانچ کرے تو معلوم ہوگا کہ عالمگیر ہی ایک ایسا بادشاہ تھا جس نے ایک بہترین اور مثالی حکومت کی، اور رواداری کی مثالیں قائم کیں۔

ابتدا میں تو اورنگ زیب عالمگیر کے پیچھے بہت سے دشمن لگ گئے تھے، لیکن رفتہ رفتہ اس کے سارے دشمنوں کا قلع قمع ہو گیا، اور سارے ہندوستان میں بجز چند علاقہ دکن کے ہر طرف اس کی بادشاہت قائم ہو گئی، اور ۱۱۱۸ھ / ۱۷۰۷ء یعنی ۵۰ سال تک قائم رہی۔

اورنگ زیب اپنے حسن انتظام اور سلیقہ میں اپنے دوسرے کئی پیشروؤں سے ممتاز تھا، وہ بڑا دیندار اور پرہیزگار تھا، اس نے کبھی سلطنت کا ایک پیسہ بھی اپنی ذات پر خرچ نہیں کیا، بلکہ کبھی ٹوپی بنا کر اور کبھی قرآن شریف لکھ کر اپنی گذر کیا کرتا تھا، رعایا کی دیکھ بھال اور ان کے آرام و آسائش کی اسے بڑی فکر تھی، اس نے سلطنت کی قوت اسقدر بڑھا دی تھی کہ اس کے بعد بھی برسوں تک جنبش نہ ہو سکی، لیکن افسوس کہ اس کے بعد سے اور کمزور جانشین اسے سنبھال نہ سکے، اور کل پرزے ڈھیلے ہونے لگے، عہد عالمگیر کے کارنامے قیامت تک یادگار رہیں گے، خصوصاً بنارس کے ہندوؤں اور ان کی مذہبی روایات کی حفاظت سے متعلق عالمگیر نے جتنا کچھ کیا شاید ہی کسی مغل بادشاہ نے اس کا نمونہ پیش کیا ہو،

عہد عالمگیری میں ہندوؤں کے مدارس — عالمگیر کے دور حکومت سے پہلے کی یہ بات قابل ذکر ہے کہ ابتدائی مکاتب میں ہندو اور مسلمان یکجا تعلیم حاصل کرتے تھے، اور ان مکتبوں میں غیر مذہبی تعلیم ہوتی تھی، یہاں سے فارغ ہونے کے بعد اعلیٰ مدارس میں چلے جاتے تھے، اور ہندو طلبا اپنے مذہبی مدرسوں میں چلے جاتے تھے، جہاں پر شاستر کے علاوہ طب و نجوم وغیرہ کی بھی تعلیم دی جاتی تھی، ہندوؤں کے مدارس عالمگیر کے عہد میں بھی قائم تھے، اور ان کا اہم مرکز بنارس تھا، خوافی خاں لکھتا ہے:

"در ایامے کہ فقیر سوانح در بنارس بود، یا آنکہ ایام زمانہ دار طبیب پیشہ نقل می نمود کہ چوں در آنجا فضا لطیف است کہ برائے تحصیل علم نجوم و طبابت و شاستر برہمنان بہ سوداے از دور و نزدیک بہ بنارس رفتہ یکے از برہمنان را آنجا را استاد خود قرار می دہند، و نزد او درس می خوانند، و صبح و شام از طرف استاد خود کنار آب گنگ رفتہ موافق و نیز کہ مقرر است امر دیے را کہ برائے غسل می آیند بہ دستور دو چیں مقرری خدمت می نمایند" ج ۲ ص ۱۹

عالمگیر کے زمانے میں اس قسم کے مدرسوں کا وجود یہ حقیقت بھی واضح کرتا ہے کہ عالمگیر ان مدارس کے قیام و بقا کا مخالف نہ تھا، اور اس نے کسی بھی مدرسے کو نہیں توڑا، مسلمان بچے اپنے مذہب پر اور ہندوؤں کے بچے اپنے مذہب پر رہتے تھے لیکن مولانا شبلی کا اس موقع پر عجیب و غریب بیان ملاحظہ ہو:-

"ار ذیقعدہ ۱۰۷۹ھ یعنی تخت نشینی کے بارھویں سن میں عالمگیر کو جب اطلاع ملی کہ ہندو مسلمانوں کو اپنے علوم پڑھاتے ہیں تو اس نے ان کے انسداد کا حکم دیا، اس واقعہ کے مہینہ بھر بعد متھرا کے اطراف میں ہندوؤں نے شورش کی جس کو فرو کرنے کیلئے عبدالنبی خاں متھرا کا فوجدار رکھا گیا اور مارا گیا، اسی زمانہ کے قریب ۱۰۸۰ھ میں بنارس کا بت خانہ کاشی ناتھ اور متھرا کا وہ بت خانہ جو ابوالفضل کی لوٹ سے نر سنگھ نے بنوایا تھا مسمار کر دئیے گئے۔" (اورنگ زیب عالمگیر پر ایک نظر ص ۴۰)

ہمیں سخت حیرت ہے کہ مندر گرائے جانے کی یہ سند مولانا کو کہاں سے ہاتھ آگئی؟ وہ جبکہ عالمگیر ہی نے بنارس کے مندروں کو جاگیریں عطا کیں، اور آج بھی عالمگیر کے ایسے فرامین موجود ہیں، جن میں مندروں کے نہ مسمار کرنے کے احکام موجود ہیں، جن کی تفصیل آگے آرہی ہے، یہاں زیر بحث مسئلہ یہ ہے کہ بنارس کے جس مندر کاشی ناتھ کا حوالہ دیا گیا ہے، بنارس میں اس کا کوئی وجود نہ تھا۔

اسی طرح مولانا نے اپنے ایک مقالہ میں ایک اور قیاس آرائی فرمائی ہے کہ:

"داراشکوہ کے حالات سے قیاس ہوتا ہے کہ اس زمانے میں ہندوؤں کو یہ جرأت ہو گئی تھی کہ وہ غریب مسلمان بچوں کو اپنے پاٹھ شالاؤں میں دنیوی اور مذہبی تعلیم دیتے تھے۔" (مقالات شبلی جلد ۲ ص ۱۰۲)

یہ بیان بھی کتنا حیرت انگیز ہے کہ صرف داراشکوہ کے حالات پر قیاس کر کے علی الاطلاق اس دور کے بنارس کے تمام مدرسوں میں ہندوؤں کی مذہبی تعلیم مسلمان بچوں

کیلئے ضروری سمجھ لیا جائے ، حالانکہ اس بیان کی تائید میں مولانا نے کوئی تاریخی حوالہ نہیں دیا ، دارا شکوہ کے عقیدے کے متعلق مولانا کو مغالطہ ہوا ہے ، اور اسے بالکل ہندو سمجھتے ہیں ، حالانکہ ایسا نہیں ہے ، بلکہ وہ بہر حال مسلمان تھا ، اتنا ضرور ہے کہ اس کے عقائد ڈگمگ تھے ، لیکن یہ فیصلہ کر دینا کہ وہ ہندو تھا صحیح نہیں ہے ، جیسا کہ اس کی اسکی تصانیف سے اندازہ ہو سکتا ہے ، دارا شکوہ نے البتہ ان مدارس کے تحفظ و بقا کیلئے جو کوششیں کیں وہ عالمگیر نے بھی کیں ، دارا شکوہ نے اوپنشدوں (ویدوں) کے جو ترجمے کرائے ہیں ان کے دیباچے میں تحریر کرتا ہے کہ :-

" چوں دریں ایام بلدۂ بنارس کہ دار العلوم ایں قوم است تعلق باین جوگی داشت ، اپنکھت ہا کہ یعنی اسرار پوشیدنی باشد و منتہائے مطلب جمیع اولیاء اللہ است در سنہ یک ہزار و شصت و ہفت ہجری بے غرضانہ ترجمہ نمودہ ہر مشکلے و ہر سخن مبتدی توحید کہ می خواست و طالب آں بود فہمی یافت "

اس عبارت سے صاف واضح ہوتا ہے کہ دارا شکوہ نے بنارس جیسے شہر کو دار العلوم کی حیثیت سے تسلیم کر کے اپنا تعلق ظاہر کیا ہے ، اور اپنشدوں کا بے غرضانہ ترجمہ کرایا ، اس خدمت سے اس کا ہندوؤں پر ایک احسان ظاہر ہوتا ہے ، اور یہ اس کی رواداری کی ایک بہترین مثال ہے ،

عہد عالمگیر میں بھاشا کی خدمات - عالمگیر کے متعلق ایک خیال یہ بھی ہے کہ اس نے ہندوؤں کے علوم کی اشاعت روک دی تھی ، اور ان کے علوم اور زبان سے نہایت نفرت رکھتا تھا ، لیکن یہ واقعہ ہے کہ مسلمانوں نے بھاشا زبان پر جس قدر اس کے زمانے میں توجہ کی پہلے کبھی نہیں کی تھی ، گو عالمگیر سے پہلے بھی مسلمانوں میں ہندی کے نامور شعرا گذر چکے ہیں ، ان میں حضرت امیر خسرو ، ملک محمد جائسی ، عبد الرحیم خانخاناں ، شیخ محمد یوسف بلگرامی وغیرہ خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں ،

ضمیر ایران کا ایک مشہور شاعر تھا، وہ عالمگیر کے زمانے میں ایران سے آیا اور شاہی منصب داروں میں مقرر ہوا، اس نے بھاشا زبان میں انتہائی کمال حاصل کیا، اسی طرح عبدالجلیل بلگرامی (مولانا غلام علی آزاد بلگرامی کے نانا) عالمگیر کے درباری تھے، اور ہندی کے بڑے ممتاز شاعر تھے،

اسی زمانے میں سید نظام الدین بلگرامی نے سنسکرت اور بھاشا کے علم ادب میں نہایت شہرت حاصل کی، اور سنسکرت کی تعلیم کیلئے بنارس کا سفر اختیار کیا، اور وہاں رہ کر اس علم کی تکمیل کی، ہندی موسیقی میں اس درجہ کا کمال پیدا کیا کہ لوگ اُن کو نایک کہتے تھے، چنانچہ اس فن سے متعلق بھاشا میں دو کتابیں تصنیف "ناد چندرکا" اور "بدھنایک سنگار" بھاشا میں "بدھنایک" تخلص کرتے تھے انکا نمونہ کلام یہ ہے:

۱۔ جو چتر ان چت چڑھے، نہ بڑے بدھ بیدان گر ستھ نہ گائے

فرشتہ دل دل — ترکیب صورت، عقلاً کتب آسمانی، قدیم آسمانی

۲۔ بھارتی بھوری کری البر پن جپ، جوگن جوگ الھیہ گنائے

گویائی — سبحہ گردانی، مرتاض

۳۔ جو کہہ، جوت جگی، نہ تھکی، بدھنایک انگو تکھٹ جھلی تارے

چہرہ — روشنی — نام شاعر — شوخی

۴۔ تجبینن، دوکول جیسے جھلکی انجھ ابراجت، اچھر رچائے

باریک — ڈوپٹہ — زیب دینا بے مثلی — نہ لیقہ کرنا

مطلب یہ ہے کہ تمھاری آنکھیں نقاب کے اندر جتنی خوش نما ہیں وہ فرشتوں کے خیال میں بھی نہیں آسکتیں، اور نہ آسمانی کتابوں میں ان کی تعریف پائی جاتی ہے، ہماری گویائی بھی حیرت میں ہے، اور ایک زاہد مرتاض تسبیح کے دانے ہلانے سے بھی زیادہ اسکا مداح ہے، نقاب ان آنکھوں کی خوبی کو نہیں چھپا سکتی، بلکہ باریک ڈوپٹہ اس کی خوبی کو اور بھی دوبالا کر دیتا ہے،

(سرو آزاد، میر غلام علی آزاد بلگرامی)

عہد عالمگیر میں پرانے مندروں کا احترام

عالمگیر کے عہد میں ہندوؤں کے پرانے مندروں اور ان کے پروہتوں کے حقوق کی حفاظت کے خیال سے فرمان جاری ہوئے، چنانچہ ۱۵ جمادی الآخر ۱۰۶۹ھ یعنی جلوس کے دوسرے ہی سال بنارس کے ناظم ابو الحسن کے نام عالمگیر نے ایک فرمان جاری کیا تھا جس کی عکسی تصویر کا مرتبہ اخبار کلکتہ میں شائع ہوئی تھی، نیز کرنل ڈی، سی فلیٹ نے بھی انگلستان سے اس فرمان کو جاری کیا، اور اس کا ذکر بھی اپنی تاریخ میں کیا ہے، اس فرمان میں بتصریح وہ لکھتا ہے:

"شریعت غرا کے مطابق گو نئے مندر نہیں بنائے جا سکتے لیکن پرانے مندروں کو توڑا بھی نہیں جا سکتا، یہ خبر ہمارے گوش گزار ہوئی کہ بعض عمال ازراہ جبر و تعدی بنارس اور اس کے مضافات کے مندروں اور برہمنوں یعنی قدیم بت خانوں کے پروہتوں پر تشدد کرتے ہیں، اور چاہتے ہیں کہ برہمنوں کو ان کی پروہتی سے الگ کر دیں جس کا نتیجہ اس کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا کہ یہ بیچارے پریشان ہو کر مصیبت میں مبتلا ہو جائیں، اس لئے تم ابو الحسن کو حکم دیا جاتا ہے کہ اس فرمان کے پہنچتے ہی ایسا انتظام کرو کہ کوئی مسلمان تمہارے علاقے کے برہمنوں اور دوسرے ہندوؤں کے ساتھ کسی قسم کی زیادتی نہ کرے، اور ان کی تشویش کا باعث نہ ہو تاکہ یہ جماعت بدستور سابق اپنی اپنی جگہ پر اور اپنے اپنے مندروں پر قائم رہ کر اطمینان قلب کے ساتھ ہماری دولت خداداد کے حق میں مصروف دعا رہے، اور اس باب میں تاکید مزید جانو"

جس عالمگیر کے قلم سے یہ فرمان جاری ہوا اس کے متعلق یہ باور کرنا کتنا بڑا ظلم ہے کہ

اس نے تمام ناظموں کو علی الاتفاق حکم دیدیا کہ سب مندر ڈھا دئے جائیں اور ہندو ملا کے تمام مدرسے بند کردئے جائیں،

اس فرمان کے علاوہ عالمگیر کے بہت سے فرمان اب تک مندروں اور ہندوؤں کی جاگیروں کے بارے میں ہیں جن سے ان کی شفقت اور ہندوں کیساتھ برادرانہ برتاؤ ظاہر ہوتا ہے، چنانچہ ۱۰۶۵ھ میں جنگم گرسائیں کو بنارس میں ایک جائداد دی اور اس کے خاندان میں اب تک عالمگیر کا شاہی فرمان موجود ہے،

اس فرمان کے علاوہ اس کے نام کے فرامین تغلق کے عہد سے لیکر شاہجہاں کے عہد تک موجود ہیں، اور ان فرامین میں اس کو بڑی بڑی جاگیریں عطا کی گئی ہیں، بنارس میں رام مندر اور دھرہرہ گھاٹ پر بھی عالمگیر نے جاگیریں بخشی ہیں، وہاں بھی یہ فرامین موجود ہیں، کسی مسلمان نے جنگم کے مکانات پر ایک بار زبردستی قبضہ کرلیا تھا، اس نے عدالت میں استغاثہ کیا، قاضی نے جنگم کے حق میں فیصلہ دیا، اسد خاں جو عالمگیر کے امراء میں سے ہے، اس کے دربار سے بھی جنگم کو ڈگری ملی، یہ دونوں اصلی فیصلے آج بھی جنگم کے خاندان میں موجود ہیں، ان فیصلوں میں جنگم کیساتھ جس ہمدردی کا اظہار کیا گیا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ عالمگیر کے زمانے میں ہندوؤں کیساتھ کتنا اچھا برتاؤ ہوتا تھا، اسد خاں کے فیصلے میں عمال کو تاکید ہے کہ آئندہ مستغیث کو کبھی اس قسم کی شکایت کا موقع نہ دیا جائے،

علاوہ ازیں بہت سے ایسے فرامین ہیں جو بنارس میں موجود ہیں، اور ندوۃ العلماء کے میلے اجلاس منعقدہ ۱۲ اپریل ۱۹۰۶ء ٹاؤن ہال بنارس کی علمی نمائش میں لگائے گئے تھے، ان فرامین میں مسلمانوں کے تعصب کا پردہ چاک ہوجاتا ہے، یہ فرامین اکثر مندر متاثر یا کارہائے خیر کے متعلق ہوتے تھے، اور اس میں ہندو، مسلمان برابر کے شریک کیا، ہمایوں سے لیکر عالمگیر تک کوئی بادشاہ ایسا نہیں گذرا جس نے ہندوؤں کو جاگیریں اور زمینیں نہ دی ہوں، اور رواداری کا سلوک نہ کیا ہو، ان فرامین کا اکثر و بیشتر حصہ

آج بھی موجود ہے، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہندوستان جیسے طویل و عریض شہر میں ایک سرے سے لیکر دوسرے سرے تک واقعہ نگار اور پرچہ نویس موجود تھے جن کا اہم فرض یہ ہوتا تھا کہ سلطنت میں ایک سرے سے لیکر دوسرے سرے تک جہاں کہیں بھی کوئی شخص علم و فن کی خدمت میں مصروف ہوتا تھا، فوراً پرچہ نویس بادشاہ کو اطلاع دیتا تھا اور وہاں سے جاگیریں، گاؤں یا کوئی زمین عطا کر دی جاتی تھی، یہ سلسلہ بنگال سے لیکر کشمیر تک پھیلا ہوا تھا، آج تار اور ٹیلی فون کے دور میں ان انتظامات کا تصور بھی ناممکن سا ہے، جہانگیر نے ایک ضمنی طور پر تزک میں ایک سال کے عطیات کا ذکر کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف ایک سال میں تقریباً ایک لاکھ بیگھ زمین اس قسم کے مصارف خیر میں عطا کی گئی،

لیکن یہ بات خاص طور سے قابل ذکر ہے کہ عالمگیر اس قسم کی فیاضیوں میں اپنے باپ شاہجہاں اور دادا جہانگیر، پردادا اکبر سے بھی بڑھا ہوا تھا اس لئے کہ عالمگیر کے اس قسم کے فرامین بے شمار پائے جاتے ہیں، اور اتنے کسی کے بھی نہیں،

اورنگ زیب عالمگیر کے دو فرمان مسٹر ظہیر فاروقی نے اپنی کتاب ([illegible]) میں درج کیے ہیں، اس کے بعد لکھتے ہیں،

"پہلا فرمان [illegible] اور دوسرا فرمان [illegible] ہے ان دونوں میں اورنگ زیب نے اپنے ماتحتوں کو تاکید کی ہے کہ وہ بنارس کے مادھو راؤ کے مندر کیلئے گوسائیں کے معاملے میں دخل نہ دیں، اور جو زمین مندر کی تعمیر کیلئے دی گئی ہے اس میں مداخلت نہ کریں، اور ایک تیسرے فرمان میں جو ۱۰۶۹ھ کا ہے یہ تحریر ہے کہ بنارس کا کوئی برہمن اپنے مذہب کے فرائض کی ادائیگی [illegible] اور ان کا مندر مسمار نہ کیا جائے،

یہ ہے عالمگیر کے عہد حکومت کی ایک اجمالی جھلک، قیاس کن زگلستان من بہار مرا

لیکن انگریزوں کے دور حکومت میں جو سبق پڑھایا گیا وہ اس کے برعکس ہے

تمھیں لے دے کے ساری داستاں میں یاد ہے اتنا
کہ عالمگیر ہندو کش تھا، ظالم تھا ستمگر تھا

اس سلسلے میں یہ حقیقت واضح کر دینا ضروری ہے کہ مسلمانوں کی حکومت کا ہمیشہ سے یہ امتیاز رہا ہے کہ ان کے یہاں دین و مذہب کو سب سے پہلا درجہ حاصل ہونے کے باوجود دوسری قوموں کے ساتھ بہتر سلوک رہا ہے، چنانچہ انھوں نے ہندوستان کے بت پرستوں اور ایران کے آتش پرستوں کے ساتھ بھی اس قسم کی کوئی زیادتی نہیں کی، جب انھوں نے ہندوؤں کے مقدس شہر بنارس کو جس کی آبادی کا بڑا حصہ ہندو پر مشتمل تھا، فتح کیا تو ان کے ساتھ بہت بہتر سلوک کیا، اور ان کے مذہبی شعائر کا پورا لحاظ کیا،

یہ نوٹ ایک انگریز مصنف کا ہے جو شاہ معین الدین احمد ندوی نے اپنی کتاب "اسلام اور عربی تمدن" میں نقل کیا ہے، اس کے بعد لکھتے ہیں:-

"مصنف کو چونکہ ہندوستان کی تاریخ سے زیادہ واقفیت نہیں ہے اس لئے انھوں نے صرف ایک بنارس کی مثال دی ہے، ورنہ ہندوستان کی تاریخ ان مسلمانوں کی رواداری سے بھری ہوئی ہے،"

بنارس میں عہد عالمگیر کی چند اہم یادگاریں

۱- مسجد عالمگیری (فوارہ): یہ مسجد ہرتیرتھ تالاب کے پاس ہی واقع ہے، اور کافی شاندار اور وسیع ہے، پوری مسجد سنگین ہے، ۱۰۷۷ھ میں تعمیر ہوئی، جو عالمگیر کے جلوس کا نواں سال ہے، مسجد کے اندر محراب پر "فول وجهك شطر المسجد الحرام" کندہ ہے، جس سے ۱۰۷۷ھ سال تعمیر نکلتا ہے،

اسی جگہ عالمگیر بادشاہ نے مفتی نور اللہ حسینی کو سرکاری عہدۂ قضا پر مامور
فرمایا تھا، جنکا مکان اور خانقاہ موجود ہے، اور مفتی صاحب ہی کے مشورہ سے یہ مسجد تعمیر ہوئی،

۷- خانقاہ حضرت مفتی نور اللہ صاحب حسینی - قیاس کا تقاضا ہے کہ
یہ خانقاہ اپنے وقت کی عدالت تھی، اور یہاں مقدموں کے فیصلے ہوا کرتے تھے،
۱۰۹۶ھ میں یہ خانقاہ تعمیر ہوئی، "دولت خانہ" مادۂ تاریخ ہے جس سے ۱۰۹۶ھ
سال تعمیر برآمد ہوتا ہے، خانقاہ کی دیوار پر اب تک یہ کتبہ لگا ہوا ہے،

بحکم شاہ سلطان شریعت — دلیل زبدۂ برہان طریقت
شہاب آسمان سرفرازی — نور شاہ عالمگیر غازی
باستصواب نور اللہ مفتی — غلام درگہ پیران چشتی
بنائے خانقاہ شد چون ہویدا — ز دولت خانہ تاریخش ہویدا
۱۰۹۶ھ

۸- مدرسہ حافظ امان اللہ صاحب حسینی - حضرت مفتی نور اللہ حسینی کے بیٹے
امان اللہ حسینی نے یہاں عربی کا ایک مدرسہ بھی قائم کیا، جو ایک جید عالم اور ملا محب
بہاری کے ہمعصر تھے، ملا محب اللہ بہاری نے اپنی کتاب "مسلم الثبوت" میں حافظ
امان اللہ کا تذکرہ جا بجا کیا ہے، اب صرف مدرسہ کا نام باقی رہ گیا ہے،
حافظ امان اللہ بنارسی کی شخصیت کوئی معمولی شخصیت نہیں ہے، عالمگیر
نے ان کو لکھنؤ کا صدر الصدور مقرر کیا تھا، جس زمانے میں یہ مدرسہ قائم ہوا تھا، اسی
زمانے میں ہندوستان کے مشہور عالم اور درس نظامیہ کے بانی ملا نظام الدین فرنگی
محلی نے بنارس آکر حافظ صاحب سے علوم معقولہ کا درس لیا، اس وقت حافظ صاحب
کا یہ مدرسہ ہندوستان کا ایک مرکزی مدرسہ تھا، اغلب ہے کہ درس نظامیہ پر

ملا نظام الدین کے نام سے منسوب ہے، بنارس ہی میں اس کی بنیاد رکھی گئی ہو، تفصیلی حالات میری دوسری کتاب "مشائخ بنارس" میں دیکھیں، یہاں پر ضمناً اتنا تذکرہ ناگزیر تھا،

۱۳۔ **گلزار محل** عالمگیر کے عہد حکومت میں ۱۰۸۲ھ میں شاہ عبداللہ ایک خاندانی بزرگ اور درویش کامل نے گلزار محل کے نام سے ایک بستان سرائے تعمیر کرایا، جو اپنے وقت میں ایک اعلیٰ درجہ کا باغ تھا، تعمیر کی تاریخ "عراق بہشت" ہے، اب بالکل نشان مٹ گیا، صرف ایک سنگین دروازہ باقی ہے، یہ تیلیا نالے میں واقع ہے،

۱۴۔ **شائستہ منزل** :۔ اسی سنہ میں عالمگیر کے ماموں امیر الامرا نواب شائستہ خان نے جو پہلے دکن میں پھر بنارس میں متعین ہوئے، ایک سنگین اور پختہ سرائے تعمیر کرائی جو شائستہ منزل کے نام سے موسوم تھی، امتداد زمانہ کی وجہ سے سرائے بالکل منہدم ہوگئی، صرف جنوبی دروازوں اور دیواروں کا نشان باقی ہے، یہ سرائے راج گھاٹ میں ہے، اس کے اندر ایک حمام بھی تھا جو ۱۸۶۷ء میں توڑ دیا گیا، اور کاشی اسٹیشن جانے والی سڑک نکالی گئی،

۱۵۔ **عاشق اور معشوق کا مقبرہ** عالمگیر ہی کے عہد حکومت میں ۱۰۸۶ھ میں ایک عشق کا واقعہ پیش آیا جو قابل ذکر ہے، اس زمانے میں اس واقعے کو بڑی شہرت ہوئی، ملا محمد شمر سابق بنارسی نے جو عالمگیر ہی کے دور کے ایک جید عالم اور شاعر تھے، اس واقعے کو اپنی مثنوی عشق میں نظم کیا ہے، اور "بستان السیاحۃ" میں الحاج زین العابدین شیروانی نے بھی آج سے ۷۵ سال قبل اس واقعہ کو قدرے تبدیلی کیساتھ درج کیا ہے،

واقعہ یوں ہوا کہ بنارس میں عبدالصمد نامی ایک بڑے عابد و زاہد ہونے کے علاوہ عالی خاندان اور شاعر بھی تھے، ان کو اپنے بیٹے محمد یوسف سے بڑی محبت تھی، اتفاقاً سے ان کو ایران کا سفر درپیش آیا، اور حالات کچھ اس طرح کے پیدا ہوگئے کہ محمد یوسف

کو وہ سفر میں نہ لیجا سکے، محمد یوسف آزادانہ بنارس میں سیر و تفریح کا مشغلہ اختیار
کئے ہوئے تھے، جہاں جی چاہتا چلے جاتے، اس زمانے میں ہر سال ساون کے مہینے
ہر اتوار کو سالار پورہ میں میلہ لگتا تھا، جہاں سید سالار مسعود غازی کا فرضی مقبرہ
ہے، یوسف بھی ایک مرتبہ اس میلے میں گئے، جب وہاں سے واپس ہونے لگے تو ایک
مکان کی کھڑکی پر ایک خوبصورت لڑکی پر نظر پڑی، نظر پڑتے ہی ان کے ہوش اڑ
گئے، اور عشق کے تیر نے ایسا کاری ضرب لگایا کہ بڑی دیر تک وہیں کھڑے رہ
گئے، اتنے میں لوگوں کا ہجوم ہوا، لڑکی بھی وہاں سے ہٹ چکی تھی، یوسف کے ہوش
و تواس بجا نہ تھے، چار ناچار مکان واپس آئے، اور دن رات اسی لڑکی کا تصور
جگر کاٹ رہا تھا، گویا ان کو بے پناہ عشق پیدا ہو گیا، لڑکی کے والدین اور رشتہ داروں
نے جب یہ کیفیت دیکھی تو ننگ و غیرت کی بنا پر مجبوراً محمد یوسف کے قتل کا ارادہ کیا،
لیکن کچھ سوچ کر اس ارادۂ بد سے باز آئے، آخر میں یہ تجویز ہوئی کہ لڑکی کو گنگا کے اس
پار کسی قرابت دار کے یہاں پہونچا دیا جائے، تاکہ ادھر محمد یوسف کی آمد و رفت بند
ہو جائے، لڑکی ایک دایہ کے ہمراہ محافہ (پالکی) میں بٹھا کر دریا کے کنارے لائی گئی،
اور جوں ہی کشتی پر سوار ہوئی، یوسف بھی وہیں آپہونچے، ان کا عشق ان کو یہاں بھی
لے آیا، آخر کرایہ دے کر یہ بھی کشتی پر سوار ہوئے، کشتی جب نصف دریا تک پہونچی تو
دایہ نے یہ حکمت عملی کی کہ خفیہ طور پر لڑکی کی جوتی دریا میں ڈال دی، اور شور مچانے
لگی، اور یوسف کو مخاطب کر کے کہا کہ اگر تمہیں صاحبزادی سے سچا عشق ہے تو جاؤ
جوتی نکال لاؤ، ورنہ وہ ننگے پاؤں کیسے چلے گی؟ یوسف دایہ کا حکم سنتے ہی بے خطر
دریا میں کود پڑے، اور دریائے عشق میں اس طرح ڈوبے کہ پھر کبھی باہر نہ آئے،

اب لڑکی نے یوسف کے اس طرح ڈوبنے اور عشق و محبت کی اس کیفیت
کو دیکھا تو اس کے دل پر بڑا اثر پڑا، اس کے دل میں طرح طرح کے خیالات پیدا

ہو رہے تھے، کبھی یوسف کے ڈوبنے کا تصور، کبھی والدین اور اپنے عزیزوں کی یہ رکاوٹیں، یہ سوچ سوچ کر وہ کانپ اٹھتی،

اب بظاہر تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یوسف اب اس دنیا ہی میں نہیں ہے، لیکن لڑکی سوچ رہی تھی ۔۔۔ "یوسف کے ساتھ میں بھی کیوں نہیں کود پڑتی؟

کچھ دن گذر گئے تو کشتی ہی کے ذریعہ لڑکی واپس آ رہی تھی، نصف دریا تک جب کشتی پہونچی تو لڑکی نے دایہ سے پوچھا کہ وہ نوجوان کہاں غرق ہوا تھا، دایہ نے قیاساً کچھ جگہ بتا دیا، اتنے میں لڑکی بے تحاشا دریا میں کود پڑی، اور اس طرح اس نے یوسف پر جان قربان کر دینے کی مثال قائم کر دی،

لڑکی کے والدین اور رشتہ داروں نے یہ خبر سنی تو بڑا واویلا مچایا لیکن اب کیا ہو سکتا تھا، غوطہ خوروں کو دونوں کی لاش نکالنے پر مامور کیا، ان دونوں کی لاش جس وقت نکالی گئی ہے تو اس وقت یہ صورت تھی کہ یوسف کے ہاتھ پر لڑکی کا سر اور لڑکی کے ہاتھ پر یوسف کا سر تھا، اور "یک جان دو قالب" کا منظر دکھائی دے رہا تھا۔

محلہ اورنگ آباد میں جنڈ سے قدیم جانے والی سڑک پر ان دونوں کا مقبرہ ہے، اور دونوں ایک دوسرے کے پہلو میں دفن کئے گئے، قبر کے اوپر ایک سنگین چھت ہے، اور قبر اب ایک مسجد کے احاطہ میں واقع ہے اور عوام میں "عاشق معشوق کا مقبرہ" کے نام سے مشہور ہے، یوسف کے والد جب ایران سے واپس ہوئے تو متاسف ہو کر یہ چند اشعار لکھ کر مقبرہ کی چھت کے چاروں طرف کندہ کرا دئے،

فرزند عزیز نور دیدہ	تا کردہ چرا ز زندگانی تعف
ایں عمر عزیز در غم او	میرین گزرد بعد تاسف
یا رب بحق حبیب پاکت	کاندر حق او کنی تلطف
تاریخ وفات او خرد گفت	در خلد مدام باد یوسف
	۱۰۸۶ھ

عشق کا ایک اور عجیب و غریب واقعہ

ایک ایرانی مصنف الحاج زین العابدین شیرازی نے اپنی کتاب بستان السیاحہ میں (مطبوعہ شیراز طبع دوم) ایک واقعہ بنارس کی سیاحت کے بعد یہاں سن کر نقل کیا ہے، جو تقریباً ڈیڑھ صدی قبل سیاحت کی غرض سے ہندوستان آئے تھے، انھیں کی عبارت کا ترجمہ ملاحظہ ہو،

معزز ہندؤں کے اکابر اور مسلمانوں کی بڑی شخصیت نے اس فقیر سے بیان کیا کہ اورنگ زیب بن شاہجہاں کے زمانے میں خراسان کا ایک تاجر بے پناہ تجارتی مال و متاع لیکر ہندوستان آکر شہر بنارس میں وارد ہوا، اور ایک ہندو لڑکی سے دل لگایا، اور اس کے پیچھے اتنا پڑا کہ ہر دن رات تک معشوقہ کے کوچہ کی سیر کرتا رہا، اور اس مدت میں نہ اس نے کچھ کہا نہ سنا، معشوقہ کا باپ یہ حال دیکھ کر اندیشہ میں پڑ گیا، اور عاشق کے دفعیہ کی چارہ جوئی کرنے لگا، اور ایک بوڑھی دایہ کو بلا کر اس سے کہا،

خانۂ دل مارا از کرم عمارت کن   پیش ازاں کہ ایں خانہ شود بہ ویرانی

یعنی۔ قبل اس کے کہ میرا یہ گھر ویران ہو جائے، اپنے کرم سے میرے دل کے گھر کو تعمیر کر دو،

دایہ نے کہا دل کو خوش رکھو، اور رنجیدہ خاطر مت ہو، میں اس درد کی چارہ جوئی کر دوں گی، اور تمھیں اس اندیشہ سے فارغ کر دوں گی، اس نے تر کیب یہ نکالی کہ جوں ہی عاشق ادھر سے گذرا، اس کو آواز دی اور کہا کہ تم کو موت مبارک ہو، تمھاری متاع حیات چھن گئی ہے اور صاحبزادی صاحبہ مر چکی ہیں، اس نے یہ خبر سنی اور دل سے ایک آہ سرد کھینچی۔ ـــــ معشوقہ ہر روز صبح کو اپنے مذہبی رسم کے مطابق اکڑتی ہوئی گنگا کے کنارے نظر آتی، اتفاق سے دایہ کے اس کہنے کے دوسرے دن کی صبح کو اسے اپنا نامراد عاشق نظر نہ آیا، اپنے قریبی لوگوں اور عزیزوں سے پوچھا کہ اس شخص کو کیا ہو گیا، اور

۷۔ **اورنگ آباد** :۔ یہ محلہ اورنگ زیب ہی کے نام سے مشہور ہے، اور اس میں مسافروں کیلئے ایک عالیشان سرائے بھی اسی عہد میں تعمیر ہوئی جو اب تک موجود ہے،

اورنگ زیب کا انتقال

تقریباً ۵۰ سال کی سلطنت کے بعد ۹۰ سال کی عمر میں اس بلند اقبال بادشاہ نے انتقال کیا، عالمگیر کے انتقال کے بعد ہی اس کے تینوں بیٹوں معظم، اعظم، اور کام بخش میں جھگڑے شروع ہو گئے، اور آخر قتل و خون کی بھی نوبت آئی، اور شاہزادہ معظم شاہ عالم بہادر شاہ اول کے نام سے تخت پر بیٹھا،

معظم شاہ عالم بہادر شاہ اول

شہزادوں کے آپس کے جھگڑوں پھر سکھوں اور راجپوتوں کی لڑائیوں سے عالمگیر کی سلطنت کو جو دھکے لگے تھے، شاہ عالم معظم نے بڑی حد تک انکو سنبھالا، لیکن پانچ ہی برس کے بعد انتقال کر گیا، تاہم اتنے ہی دنوں میں ملک کی حالت سنبھل گئی تھی کہ اگر اب بھی مغل شاہزادے اپنی سمجھ اور عقل سے کام لیتے تو بڑی مدت تک ان کی دھاک قائم رہ سکتی تھی،

جہاندار اور فرخ سیر

شاہ عالم معظم کے انتقال کے بعد پھر خاندانی جھگڑے شروع ہوئے، اور آخر کار بھائیوں کو ختم کر کے جہاندار تخت پر بیٹھا لیکن چند ہی دنوں میں فرخ سیر نے [illegible]

کے لڑکے فرخ سیر نے چڑھائی کی،
سنہ ۱۱۲۴ھ مطابق سنہ ۱۷۱۲ء میں جہاندار اور فرخ سیر کے درمیان جنگ کی ابتدا ہوئی، فرخ سیر بنگال سے روانہ ہوا، اور ۲۹ر اکتوبر سنہ ۱۷۱۲ء میں سید راجہ اور دوسرے روز مغل سرائے میں قیام کیا،
اس زمانے میں چھتری زمینداروں کو دبا کر بھومیہار برہمنوں نے پرگنہ پنڈرہ پر قبضہ کر لیا تھا، اور رائے کریارام وہاں کا خود مختار ہو گیا تھا، فرخ سیر نے اسی سے ایک لاکھ کی پیشکش لیکر اس کو زمینداری کی سند دیدی، اور خود مختار ہوتے ہوئے الہ آباد اور فتح پور کی جانب چلا گیا،

نواب معمور خاں ناظم اعلیٰ بنارس

سلطان محمد فرخ سیر کے زمانہ حکومت سنہ ۱۱۲۴ھ مطابق سنہ ۱۷۱۲ء میں نواب معمور خاں بنارس کے ناظم اعلیٰ تھے،
معمور گنج ان ہی کے نام سے موسوم ہے، اور اسی محلہ میں ان کا مقبرہ بھی ہے،
نواب معمور خاں کا مکان حوض کٹورہ میں تھا، اور یہیں ان کی عدالت بھی تھی، حوض کٹورہ نام پڑنے کا ایک عجیب قصہ ہے،
حوض کٹورہ نواب صاحب نے اپنے عالیشان مکان میں ایک سنگ مرمر کا حوض بنوایا تھا، ایک روز عدالت برخاست ہونے کے بعد اپنے حاضرین و متوسلین کو حکم دیا کہ کل صبح اندھیرے میں ایک ایک کٹورا دودھ سے بھر کر ہمارے حوض میں ڈال دیا جائے، صبح کو جب نواب صاحب نے حوض ملاحظہ فرمایا تو بجائے دودھ کے پانی سے بھرا ہوا تھا، چنانچہ سب کو حاضر کر کے دریافت کیا تو تمام لوگ شرمندہ ہو گئے، اور اس کی وجہ یہ بیان کی گئی کہ ہم میں سے ہر ایک آدمی اس دھوکے میں رہا کہ سب لوگ دودھ ڈالدیں گے تو ہمارا ایک کٹورا پانی ظاہر نہ ہوگا، مگر اتفاق وقت سے ہر

ایک نے یہی سوچا، نواب صاحب نے اس صداقت بیانی پر سب کو معاف کر دیا،
اس واقعے سے اس محلہ کا نام حوض کٹورہ پڑ گیا،

مسجد پاکڑ تلہ محمد شہید - سلطان محمد فرخ سیر جاہ کے عہد میں ۱۱۲۶ھ
میں تعمیر ہوئی، محراب کے اوپر یہ کتبہ لگا ہوا ہے،

با بادباتی مسجد عالی بنا	ساختہ مقبول از صدق و صفا
در زمان سلطنت فرخ سیر	بادشاہ دین پناہ با ذکا !!
سال تاریخش ندا از غیب داد	گفت ہاتف "سجدہ پر درد خدا"

۱۲۸۷ھ میں محمد حیات متولی ساکن محمد شہید نے اس مسجد کا دروازہ، دالان
وغیرہ تعمیر کرائی، اور یہ کتبہ دروازے پر نصب کیا،

ایں باب شد بنا چو تاریخ دل شگفت
در را اساس کردہ محمد حیات گفت

۱۱۳۱ھ مطابق ۱۷۱۹ء میں فرخ سیر کی حکومت ختم ہو گئی، اور آگے
پیچھے رفیع الدرجات اور رفیع الدولہ دو بادشاہ تخت پر بٹھائے گئے، لیکن پانچ
ہی مہینے میں دونوں کا انتقال ہو گیا،

محمد شاہ

ان دونوں کے انتقال کے بعد محمد شاہ تخت پر بیٹھا، لیکن زیادہ دنوں
تک وہ بھی نہ چل سکا، اور دکن کے سیدوں نے گرفتار کر کے ایک قلعہ میں اس کو
بند کر دیا، جہاں وہ پہلی محرم ۱۱۳۵ھ مطابق ۱۱ اکتوبر ۱۷۲۲ء میں انتقال کر گیا،

فرخ سیر کی حکومت ختم ہونے کے بعد بنارس، جونپور، غازی پور وغیرہ
اس کے ایک مصاحب خاص مرتضیٰ خاں کو مل گئے، جو بطور زمینداری تھے،
پھر محمد شاہ نے اپنے دور میں نواب سعادت علی خاں نیشاپوری کو بنارس
اودھ، جونپور کا صوبہ دار مقرر کیا، اور نواب مرتضیٰ علی خاں سے یہ تمام علاقے آٹھ
کروڑ روپے میں لیئے گئے، کیونکہ ان کو اپنے علاقہ کے قرب وجوار سے بدنظمی کا اندیشہ تھا،
نواب سعادت علی خاں نے بھی بنارس میں بڑے علمی کارنامے انجام دیئے،
اور اپنے علمی مرکز جونپور بھی گیا، لیکن اس بنا پر کہ وہاں کے علماء اس سے ملنے نہیں آسکے
خفا ہو کر چلا آیا، اور یہ حکم دیدیا کہ وہاں کی جاگیریں ضبط کر لیجائیں، یہاں تک کہ تقریباً تبھی
سے دار ختم ہو گئیں،

میر سید رستم علی حاکم بنارس

اس زمانے میں محمد شاہ نے میر سید رستم علی کو سنہ ۱۱۳۱ھ مطابق ۱۷۱۸ء میں
بنارس کا ناظم اعلیٰ مقرر کیا،

مرزا محمد تقی خاں

اسی عہد میں مرزا محمد تقی خاں ایران سے بنارس آئے، ایران کے
والی مرزا محمد شفیع کو بھی نادر شاہ درانی نے قتل کر دیا تھا، بلحاظ حفظ مراتب شاہی
حاکم وقت میر سید رستم علی کیطرف سے ان کی عمدہ کفالت ہوئی، مرزا محمد تقی خاں
کا مکان دال منڈی اور گوبند پورہ کلاں میں تھا،

شیخ علی حزیں

نادر شاہ درانی کے حملوں سے ایران پر خراب اثر
پڑا کہ بہت سے لوگ وہاں سے بھاگ کر ہندوستان
چلے آئے، مرزا محمد تقی خاں کے بعد مشہور شاعر شیخ علی حزیں ہندوستان آئے،
ایران سے چل کر ملتان، لاہور، دہلی میں قیام کرتے ہوئے بنارس آئے اور یہیں کے ہو رہے،
ہو بھی وہیں یہ خاک جہاں کا خمیر تھا!

ایران کا یہ زندہ دل شاعر بنارس ہی کا ہو کر رہا اور یہیں ان کی شہرت کا آفتاب نصف النہار پر پہونچا، بنارس کے علاوہ اس نے اور کسی شہر میں رہنا پسند نہیں کیا، چنانچہ حزیں کے کسی دوست نے جب ایران بلایا تو اس نے جواب میں یہ شعر لکھ دیا،

از بنارس نروم معبد عام است اینجا — ہر برہمن پسرے لچھمن و رام است اینجا

حزیں اپنی رنگین مزاجی میں منفرد تھے، اور بنارس کی تعریف کا نقشہ یوں کھینچا ہے،

پری رخان بنارس بہ ازرنگا رنگ — پے پرستش مہدیو چوں کنند آہنگ

بگنگ غسل کنند و بسنگ پا مالند — زہے شرافت سنگ و زہے لطافت گنگ

حزیں ایک جید عالم بھی تھے، مذہب کے اعتبار سے شیعہ تھے، لیکن بنارس کے تمام لوگ ان کے حسن سلوک سے بڑے خوش تھے، ان کی ولادت اصفہان میں ہوئی، تاریخ پیدائش ۲۷ر جمادی الثانی ۱۱۰۳ھ ہے، والد کا نام ابو طالب جیلانی ہے، دادیہالی مورث شیخ الاجل تاج الدین ابراہیم معروف بہ زاہد جیلانی ہے،

حزیں نے سیر و سیاحت اور کثرت مطالعہ سے علم و فضل میں اضافہ کیا، ایران میں افغانی حملوں کی بدولت جب بدنظمی پیدا ہوئی تو ان کا کتب خانہ بھی لٹ گیا، نادر شاہ جب دہلی پہونچا، اس زمانے میں حزیں دہلی آچکے تھے، چنانچہ ایک قصیدہ دہلی ہند کی ہجو میں لکھ مارا، جس کی بنا پر شعرائے دہلی کو حزیں سے مخالفت اور رقابت پیدا ہوئی، اس وقت دہلی میں رہنا مناسب نہیں سمجھا، اور بنگال کا قصد کیا، چنانچہ راستے میں بنارس، عظیم آباد (پٹنہ) ٹھہرے، پٹنہ ہی سے ارادہ فسخ کر کے بنارس آئے اور مستقل قیام کیا،

علوم و فنون اس زمانہ کے باکمال لوگوں سے حاصل کئے، فن شعر سے فطری مناسبت تھی، اور بچپن ہی میں اس کا شوق ہو گیا تھا، والد چاہتے تھے کہ یہ شوق چھوٹ جائے تاکہ طلب علم میں حرج نہ ہو، لیکن چونکہ یہ شوق فطری تھا اس لئے چھوٹ نہ سکا،

اور اس فن کے استاد کامل ہو گئے،

شعر خود خواہش آں کرد کہ گردد فن ما — ما نبودیم بدیں مرتبہ راضی غالب

حزیں اعلیٰ درجہ کے خوش نویس تھے، انھوں نے چار دیوان تصنیف کئے،
ان میں سب سے اعلیٰ نسخہ خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری پٹنہ میں موجود ہے،
جس میں حزیں کی ایک رنگین مطلا تصویر بھی ہے، دوسرا نسخہ مہاراجہ ریاست بنارس
کے قلعہ رامنگر کے کتب خانے میں ہے، یہ دونوں نسخے میری نظر سے متعدد بار گذر
چکے ہیں، افسوس ہے کہ سنہ کتابت کہیں درج نہیں ہے، دیوان کی لوح پر
حزیں نے یہ شعر لکھ کر اپنا دستخط کر دیا ہے،

از صفحۂ دلہا نشود محو کلامم — زد نقش سخن سکۂ جاوید بنامم

حزیں کی شاعری کا تعارف کرانے کی ضرورت نہیں، ہندوستان و پاکستان
کا ممتاز تعلیم یافتہ طبقہ واقف ہے، ورنہ ظاہر ہے کہ یہ کتاب بلا وجہ طویل ہو جائیگی،
مقصود صرف یہ ہے کہ بنارس کو حزیں سے کیا فائدہ پہونچا؟ یہ واضح کیا جائے،

دال منڈی

شیخ علی حزیں کا قیام دالمنڈی میں تھا، جو اب شہر کا سب سے
بڑا مرکزی حصہ ہے، دالمنڈی کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس
زمانے میں دال منڈی اور گوبند پورہ کلاں میں عام طریقے سے دال دلنے اور آٹا
پیسنے کا کام ہوتا تھا، حزیں کو چکیوں کے چلنے کی آواز ناگوار معلوم ہوئی، جس سے
اس کے معمولات میں خلل واقع ہوتا تھا، چنانچہ اس پیشہ کے کرنیوالوں کو جا کر منع
کرا دیا، اور بالعوض اپنی جیب خاص سے سب کی تنخواہیں مقرر کر دیں،

ایک بار بنارس میں قحط پڑا، حزیں نے اپنی جیب سے حاکم بنارس کو بڑی
مدد پہونچائی، اور رعایا کیلئے غلہ کا محصول معاف کرایا،
حزیں کی ایک بڑی دلچسپ وضع یہ تھی کہ کسی ملازم سے گفتگو نہیں کرتے

تھے، اور اشارہ وکنایہ سے کام نکلتے تھے، اور یہ وضع یہاں تک نبھائی کہ ایک رات کسی کتاب کے مطالعہ میں منہمک تھے، ناگہاں شمع کا گل گر پڑا، جس سے تمام فرش و قالین، مسند و سنجاب وغیرہ جل گئے، حزیں تنہا کتاب لئے مکان سے باہر نکل پڑے نہ کسی کو آواز دی اور نہ کسی کو جگایا، بعض متوسلین نے عرض کیا کہ اتنا نقصان ہوا آپ نے کسی کو اطلاع نہیں دی، حزیں نے جواب دیا کہ ہمکلام ہونا عادت کے خلاف تھا، صرف اتنی سی بات کیلئے وضع کو ترک کرنا اور سوتوں کو جگانا گوارا نہ ہوا،

حزیں کی ایک وضع یہ بھی تھی کہ کسی سے نہ ملاقات کرنے جاتے اور نہ کسی کی تعظیم کیلئے اٹھتے، سوائے شاہ عالم کے آپ نے کسی کی تعظیم نہ کی، شاہ عالم خود ان کی قیام گاہ پر بھی آئے تھے،

۱۱ جمادی الاولیٰ سنہ ۱۱۸۰ھ میں وفات پائی، مقبرہ فاطمان میں ہے، حزیں نے اپنی قبر پہلے ہی سے تیار کرادی تھی،

مسجد فاطمان، ایوان و شہ نشین

فاطمان کے اندر حزیں کی بنوائی ہوئی مسجد، ایوان اور شہ نشین یادگار ہے، مسجد سنہ ۱۱۵۰ھ میں تعمیر ہوئی، اس وقت حزیں کی عمر ۴۶ سال کی تھی، تعمیر کی یہ تاریخ محراب میں کندہ ہے،

جبہ بر خاک نہ ومیں مسجد — کہ برائے عبادت است اینجا
بہر تاریخ ایں بنا ہاتف — گفت درگاہ حاجت است اینجا

فاطمان کی یہ مسجد دوبارہ شہر کے ایک نامور خاندانی طبیب حکیم ابو علی محمد جعفر صاحب نے تعمیر کرائی اور یہ کتبہ نصب کرایا،

آں محمد جعفر علیی نفس — بانی مسجد شد از لطف کریم
مصرع تاریخ باشد حسب حال — حکمت نیک است از فعل حکیم

مولانا غلام علی آزاد بلگرامی نے یہ تاریخ وفات لکھی ہے،

علامۂ عصر و شاعر خوب | افسوس کہ از میانہ برخاست
تاریخ وفات او نوشتم | از فوت حزیں جہاں ز ایران است

مولانا آزاد بلگرامی سے حزیں کی ملاقات بنگر و سندھ ۱۱۵۶ھ (؟) کے مقام میں ہوئی۔ شیخ ایران سے ہجرت کر کے آئے تھے۔ بنگر میں شیخ نے اپنے قلم سے چند اشعار لکھ کر مولانا کے حوالے کیا۔ شیخ کے ہاتھ کا لکھا ہوا ایک دیوان خود مولانا کو ایک شخص سے ملا جس سے آپ نے چند اشعار اپنی کتاب مآثر الکرام دفتر دوم میں نقل کئے ہیں۔

شیخ علی حزیں کا مزار فاطمان میں ہے۔ الواح مزار ایران کے ہاتھ کی یہ عبارت کندہ ہے:

"العبد الراجی الی رحمۃ ربہ محمد المدعو بعلی ابن ابی طالب الجیلانی"

اس کے نیچے یہ تین شعر درج ہیں:۔

حزیں از پائے رہ پیما بسے سرگشتگی دیدم | سر شوریدہ بر بالین آسائش رسید اینجا
زباں دانِ محبت بودہ ام دیگر نمی دانم | ہمی دانم کہ گوش از دوست پیغامے شنید اینجا
روشن شد از وصال تو شبہائے تار ما | صبح قیامت است چراغ مزار ما!!!

مولانا رضا علی بنارسی (وفات ۱۳۱۲ھ) نے اوپر کے پہلے مصرعہ سے مختلف طریقوں پر ۲ طور سے شیخ کی تاریخ وفات نکالی ہے۔ اور اس موضوع پر ایک رسالہ بھی تحریر کیا ہے جو کہ قابل دید ہے۔

حزیں نے دہلی کے زمانۂ قیام میں اپنے حالات خود لکھے تھے، جو مطبع نولکشور لکھنؤ میں کلیات کے ساتھ چھپ گئے ہیں۔ پھر بنارس کے زمانۂ قیام میں واقعات سرگذشت کے نام سے ایک خود نوشت مراسلہ مختصر تحریر کی جو مفادِ سند پریس بنارس میں ۱۳۰۸ھ میں چھپ چکی ہے۔ شیخ نے ایک رسالہ عملیات میں بھی لکھا ہے، جو حکیم محمد صادق مرحوم ساکن دلی پور بنارس کے کتب خانے میں موجود ہے۔

ندوۃ العلماء لکھنؤ کے کتب خانے میں شیخ حزیں کی سوانح حزیں کا ایک

قلمی نسخہ موجود ہے ، حزیں نے تذکرہ شعراء کے نام سے ایک ضخیم تذکرہ لکھا تھا یہ بھی ندوہ کے کتب خانے میں موجود ہے ، علامہ سید سلیمان ندوی نے اس پر یادداشت لکھ رکھی ہے ،

مولانا حبیب الرحمٰن خاں شیروانی مرحوم کے کتب خانہ حبیب گنج علی گڑھ میں حزیں کی مخطوطہ کلیات کے علاوہ اور بھی دو ضخیم کلیات ہیں ، مولانا مرحوم نے آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے بیالیسویں اجلاس منعقدہ بنارس کے موقع پر "بنارس اور حزیں" کے عنوان سے ایک بڑا جامع اور علمی خطبہ صدارت پڑھا تھا ، جو مولوی محمد مقتدیٰ خاں شیروانی کے اہتمام سے شیروانی پرنٹنگ پریس علی گڑھ میں چھپ گیا ہے ، اور اب بھی دستیاب ہو سکتا ہے ،

مولانا حبیب الرحمٰن خاں شیروانی کا ایک خط مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم کے نام کاروان خیال میں شائع ہوا ہے ، جس میں انھوں نے مولانا آزاد کو مخاطب کر کے لکھا ہے کہ "علامہ شبلی نے شعر العجم میں حزیں کا تذکرہ نہیں کیا ، کاش حزیں کا یہ شعر ان کے کان میں پہونچ جاتا ،

کیفیت صہباست بجام سخن من ۔۔۔ اے بادہ گساراں برسانید دماغے

رانی بھوانی بنگال

سلطان محمد فرخ سیر ہی کے زمانے میں بنگال کی رانی بھوانی بنارس آئیں اور بنارس میں بہت سے تالاب اور گھاٹ بنوائے ، ان ہی تالابوں میں سے ایک عیدگاہ لاٹ کا تالاب بھی ہے ، لنگر خانے بھی بہت سے بنوائے ، اور بنارس والوں پر احسانات کیئے ،

سلطان مجاہد الدین ابو النصر احمد شاہ

محمد شاہ کے قلعہ میں بند کئے جانے اور وفات پانے کا تذکرہ کیا جا چکا ہے،
اگر اس کے اندر کچھ بھی ہمت و صلاحیت ہوتی تو یہ سلطنت سنبھال لینے کا موقع تھا، مگر
محمد شاہ عیش و آرام کا دلدادہ تھا، اسی لئے وہ رنگیلے شاہ کے نام سے مشہور ہے،
نتیجہ یہ ہوا کہ سلطنت جس کی بنیادیں پہلے ہی سے ہل گئی تھیں اب اور بھی کمزور ہو
گئیں، مرہٹوں کی لوٹ مار نے سارے ملک میں ایک آفت مچادی، ایران سے نادر
شاہ کے چند باغی ہندوستان آئے، نادر شاہ نے لکھا کہ باغیوں کو واپس کر دو
لیکن یہاں رنگ رلیوں سے فرصت ہی کہاں تھی؟ غصہ میں نادر شاہ ۱۱۵۱ھ / ۱۷۳۸ء میں
ہندوستان آیا، آصف جاہ نے بیچ میں پڑ کر معاملہ سلجھانا چاہا، لیکن اودھ کے صوبہ
دار برہان الملک نے بھڑکا دیا، اور دلی میں خون کی ہولیاں کھیلی گئیں، اس حملہ کے
بعد مغلوں کا اثر ختم ہو گیا اور محمد شاہ کا ۱۱۶۱ھ مطابق ۱۷۴۸ء میں انتقال ہو گیا
پھر اس کا لڑکا احمد شاہ تخت پر بیٹھا، لیکن ۱۱۶۷ھ / ۱۷۵۳ء میں اسکو تخت سے اتار کر قید خانہ
میں ڈالدیا، اور معظم شاہ کے پوتے کو عالمگیر ثانی کے نام سے بادشاہ بنا دیا،

برہان الملک سعادت خاں حاکم بنارس

محمد شاہ رنگیلے کے دربار میں نیشاپور سے ایک سپاہی سعادت خاں داخل
ہوا، جس کا اصلی نام محمد امین تھا، اور ہندوستان آکر اس کا نام سعادت خاں ہو گیا
پھر شاہی دربار سے برہان الملک کا خطاب عطا ہوا،

نادر شاہ کے قتل و غارتگری کی ساری ذمہ داری اسی کے سر عائد ہوتی ہے،
اور نادر شاہی قتل عام کا ہولناک واقعہ پیش آیا احمد شاہ رنگیلے نے اس کو اپنے زمانہ
حکومت میں ادھر کا حاکم مقرر کیا تھا، چنانچہ مولانا غلام علی آزاد بلگرامی تحریر فرماتے ہیں،

"چوں برہان الملک سعادت خاں نیشاپوری در آغاز جلوس محمد شاہ حاکم صوبہ اودھ
شد و اکثر بلاد عمدہ صوبہ الہ آباد و نیز دار الظہور جون پور، بنارس، غازیپور، کڑہ
مانک پور، کوڑہ جہان آباد وغیرہ ضمیمہ حکومت گردید"

اس سے معلوم ہوا کہ بنارس بھی اس سعادت خاں کے حکومت کے ضمیمہ میں داخل ہو گیا،
اس حاکم نے تمام وظائف بند کر دئے، اور مخلوق کو بڑی پریشانیوں میں مبتلا کر دیا،
اس برہان الملک کا ایک بھانجہ تھا جس کو احمد شاہ رنگیلے کے دربار سے "ابو المنصور
صفدر جنگ" کا خطاب عطا ہوا تھا، پھر احمد شاہ نے اپنے زمانہ حکومت میں اس کو
بنارس کا حاکم بنایا،

نواب صفدر جنگ حاکم بنارس

سنہ ۱۱۶۱ھ مطابق سنہ ۱۷۴۸ء میں احمد شاہ نے نواب صفدر جنگ کو بنارس
حاکم بنایا تھا، جب احمد شاہ کی سلطنت کی مدت تک بنارس کے حاکم تھے،

سلطان عزیز الدین عالمگیر ثانی

معظم شاہ کا پوتا عالمگیر ثانی تخت نشین ہوا، اور ادھر نادر شاہ کے مرنے کے
بعد احمد شاہ ابدالی نے افغانستان اور پنجاب پر قبضہ کر لیا، اور اس عالمگیر ثانی کے زمانے
میں وزیر غازی الدین نے پنجاب پر قبضہ کر لیا، لیکن احمد شاہ نے بڑھ کر پھر

تھام کرلی اور نجیب الدولہ کو اپنا نائب بنایا اور دہلی کی بادشاہت شاہ عالم ثانی کو سپرد کرکے واپس ہوا،

راجہ بلونت سنگھ

سلطان عزیز الدین عالمگیر ثانی پھر سلطان جلال الدین عالی گوہر کے زمانے میں سنہ ۱۱۳۲ھ سے ۱۱۸۴ھ تک راجہ بلونت سنگھ ریاست بنارس کے حکمراں تھے انکے دو دیوان تھے،

۱۔ دینا ناتھ: جن کے نام سے بنارس میں گولہ دینا ناتھ مشہور ہے،

۲۔ ڈھونڈھا بھگت: جن کے نام سے دیوان گنج اور دیوان گھاٹ ہے،

لعل خاں

راجہ بلونت سنگھ والی بنارس کے خاص مصاحب اور سپہ سالار لعل خاں تھے، یہ ایک افغانی شہری تھے، سفارت کا کام بھی ان سے متعلق تھا، کچھ عرصہ تک جونپور میں حاکم رہ چکے تھے، حسن تقریر اور ان کے آداب شاہی سے راجہ بہت خوش تھے،

محلہ لعل خاں بنارس میں جو ہے لعل خاں ان ہی کے نام سے مشہور ہے۔ جو کسی وقت میں شہر کا بڑا مرکزی بازار تھا،

لعل خاں سخاوت میں مشہور تھے، تین سو سے زیادہ اشخاص روزانہ ان کے دسترخوان سے کھانا کھاتے تھے، اور روزانہ دو سو فقیروں کو ایک روپیہ سے لیکر پانچ روپیہ تک نقد تقسیم کرتے تھے،

حضرت شاہ گلزار اس زمانے میں ایک درویش بزرگ تھے، لعل خاں کو

سلطنت مغلیہ کا خاتمہ

احمد شاہ دہلی کی سلطنت شاہ عالم ثانی کو سپرد کر کے چلے گئے، لیکن اب دہلی کی مرکزی حکومت برائے نام ہی رہ گئی تھی، اور نہ مغلوں میں اب حکومت کی دم ہی باقی تھی، چند ہی دنوں میں یہ کیا کرایا بیکار ہو گیا، بنارس میں راجہ بلونت سنگھ کے زمانے میں تمام اختیارات نواب آصف الدولہ والی صوبہ اودھ و بنارس کو حاصل تھے،

سنہ ۱۱۸۴ھ مطابق سنہ ۱۷۷۰ء میں راجہ بلونت سنگھ کا انتقال ہو گیا، اور نواب شجاعت اپنے بیٹے آصف الدولہ کے ساتھ بنارس آئے، اور ۲۵ جمادی الاول سنہ ۱۱۸۴ھ کو رامنگر جا کر راجہ بلونت سنگھ کے بیٹے راجہ چیت سنگھ کو بباعث پیر دی بابو اودسان سنگھ (مدار المہام راجہ بنارس) راجہ بنا دیا،

راجہ پورہ۔ بنارس میں راجہ چیت سنگھ کے نام سے راجہ پورہ مشہور ہے، راجہ پورہ تھا بڑا بازار جس کو بابو بازار اور وہاں کی آبادی کو اودسان گنج کہتے ہیں، راجہ اودسان سنگھ کے نام سے موسوم ہے اور وہاں قلعہ بھی ہے،

انگریزوں کا قدم ہندوستان میں

ہندوستان کی مالداری و دولت کے قصے تو ساری دنیا میں مشہور تھے، یورپ کی قوموں کو بھی عرصے سے اس سے نفع اٹھانے کی فکر لگی تھی، اسی دھن میں پرتگیز جہاز واسکوڈی گاما ایک عرب مسلمان کی مدد سے سنہ ۹۰۴ھ ۱۴۹۸ء میں کالی کٹ پہونچا، اور سمندر کا نیا راستہ کھل گیا، پرتگیزیوں کی دیکھا دیکھی ہالینڈ، جرمنی، سویڈن، فرانس، اور انگلستان کے سوداگروں نے بھی ہندوستان کا رخ کیا، لیکن تھوڑے ہی دنوں میں

انگریزوں اور فرانسیسیوں کے علاوہ سب کے قدم اکھڑ گئے، آگے چل کر فرانس کو بھی سامنے سے ہٹنا پڑا، اور انگریزوں کیلئے میدان صاف ہو گیا،

انگریز سوداگر سولہویں صدی عیسوی کے ختم ہوتے ہی ہندوستان پہنچ گئے سنہ ۱۰۰۹ھ مطابق ۱۶۰۰ء میں ملکہ الزبتھ کی اجازت سے ایسٹ انڈیا کمپنی نے سو ڈیڑھ سو برس تک صرف تجارت سے سروکار رکھا، لیکن اورنگ زیب اور معظم شاہ کے بعد سلطنت کو زوال ہوا تو مغل سلطنت کی بنیادیں ایسی ہلیں کہ ملک بھر میں جھگڑے شروع ہو گئے، نواب آصف الدولہ اودھ اور بنارس کے فرمانروا تھے، اور سنہ ۱۱۸۹ھ مطابق ۲۱ مئی سنہ ۱۷۷۵ء میں بنارس، اجرن پور، غازی پور، چنار گڈھ کو گورنمنٹ انگلشیہ متعلقہ جارج سوم شاہ انگلستان کو بذریعہ معاہدہ ایسٹ انڈیا کمپنی حوالہ کر کے سپردگی کی سند تحریر کی تھی،[۱]

انگریزوں نے آہستہ آہستہ سارے ہندوستان میں قدم جما لیے، اور حیدرآباد و کرناٹک میں جھگڑے برپا ہوئے، اور سنہ ۱۱۶۴ھ میں حیدرآباد اور کرناٹک اور اس کے بعد ہی بنگال پر انگریزوں نے قبضہ کر لیا، اور اس کے بعد ہر جگہ لڑائیاں ہوئیں انگریزوں نے دیکھتے ہی دیکھتے کلکتہ سے دہلی اور میسور سے ہمالیہ کی ترائی تک اپنا قبضہ جما لیا، صرف پنجاب میں سکھوں کی حکومت تھی، لیکن آخر میں وہ بھی انگریزوں کے ماتحت ہو گئی،

برما، سندھ، اور اودھ کی بعض ریاستیں قائم تھیں، لیکن انگریزوں نے ان کو بھی چلنے نہ دیا، سنہ ۱۲۶۸ھ مطابق ۱۸۵۲ء میں برما کے راجہ سے جنگ ہوئی، اور آسام کا صوبہ اور برما کا بڑا حصہ انگریزی سلطنت میں آگیا، اور سنہ ۱۲۷۳ھ مطابق ۱۸۵۷ء تک کشمیر سے راس کماری اور درہ خیبر سے لیکر برما تک انگریزی حکومت قائم ہو گئی،

دہلی کے آخری فرمانروا بہادر شاہ ظفر گرفتار کر کے رنگون بھیجے گئے، اور لال قلعہ کا آخری چراغ بھی گل ہو گیا،

[۱] چراغ نور تاریخ ظفرآباد و جونپور صفحہ ۲۹

۱۲۷۴ھ ۱۸۵۷ء میں غدر ہوا اور کمپنی کا راج قائم ہوگیا، اور انگلستان کی حکومت نے ہندوستان کا انتظام خود اپنے ہاتھ میں لے لیا، یکم نومبر ۱۲۷۵ھ ۱۸۵۸ء کو الہ آباد میں ایک بڑا دربار ہوا، جس میں ملکہ وکٹوریہ کیجانب سے عام معافی کا اعلان کیا گیا، اور لوگوں کو اطمینان دلایا گیا کہ اب ان کے ساتھ کوئی زیادتی نہیں کیجائیگی،

بنارس انگریزی دور حکومت میں جھگڑوں اور فسادوں سے محفوظ تھا، ادراُدھر اُدھر کے فسادات کا کوئی اثر بنارس میں نہیں پڑا، زوال سلطنت مغلیہ کے بعد یہاں کے چند خاص اور اہم تاریخی واقعات قابل ذکر ہیں جو آئندہ بترتیب سن لکھے جاتے ہیں،

۱۷۸۱ء سے کچھ پہلے کسی وقت میں وارن ہسٹنگز نے جو فورٹ ولیم بنگال کا پہلا گورنر تھا، اس نے بنارس میں انگریزی فوج رہنے کیلئے کوارٹرز بنوائے تھے انہیں کا اب کوئی نشان باقی نہیں رہا، اب صرف یہ جگہ کبیر چوراہا "آج" اخبار کے دفتر کے سامنے موجود ہے، اور اسکے اندر باغ ہے، باہر کی دیوار پر انگریزی میں یہ تحریر ہے،

"In the garden within this wall were the quarters occupied in the autumn of 1781, by Warren Hastings First governor general of Fort William in Bengal."

انگریزی دور حکومت کے تاریخی واقعات

۱- عدالت کے قوانین اور شرعی فیصلے

انگریزی حکومت کی ابتدا میں اسلامی اور شرعی قانون کے مطابق کلکٹری اور دیوانی کے مقدموں کے فیصلے ہوتے رہے، البتہ عدالت دیوانی میں کسی قدر ترمیم کیگئی تھی،

اس زمانے میں مولانا واصل علی خاں قاضی القضاۃ نے شرعی قوانین کو جمع کر کے ایک کتاب "ذخیرہ" ترتیب دی تھی، اس وقت تک جج اور چیف جسٹس وغیرہ کا لفظ رائج نہیں ہوا تھا، جج کو قاضی اور چیف جسٹس کو قاضی القضاۃ اور کلکٹر کو حاکم کہتے تھے،

۲۔ مرزا محمد حسن خاں بہادر حاکم بنارس

ابتدائے حکومت میں پہلے پہل جب محکمہ فوجداری قائم ہوا تو مرزا محمد حسن خاں حاکم مقرر ہوئے، ان کے انتقال کے بعد ان کے لڑکے امامی مقرر ہوئے، ریشم کٹرہ کے متصل جس کو اب چھتہ تلے کہتے ہیں انھیں کے نام چھتہ مرزا امامی سے مشہور ہے،

۳۔ شہزادہ مرزا جواں بخت خلف شاہ عالم

۱۲۰۱ھ مطابق ۱۷۸۷ء میں خاندان مغلیہ کے آخری یادگار شہزادہ جواں بخت الملقب بہ جہاندار شاہ خلف اکبر و ولی عہد شاہ عالم فرخ آباد سے بنارس آئے اور یہیں رہ گئے، ان کی اولاد میں شہزادہ مرزا خرم بخت بہادر اپنے پدر بزرگوار کے قائم مقام تھے، ۱۲۴۳ھ میں ان کا انتقال ہوا، بادشاہ باغ فاطمان میں مدفون ہوئے، قبر پر یہ تاریخ کندہ ہے،

چو خرم بخت سلطان جہاندار	ز دنیا رفت خلقے کرد ..... ماتم
تاریخش سر دشش از آسماں گفت	بہ فردوس از پے اوجائے خرم

مرزا صاحب بڑے ہی علم دوست آدمی تھے، اور بہت سی فارسی کی گرانقدر کتابیں نقل کر کے رکھ چھوڑی تھیں، لیکن بعد کو کوڑیوں کے مول فروخت ہو گئیں، بعض کتابیں مہاراجہ بنارس کی اسٹیٹ لائبریری رامنگر میں محفوظ ہیں، اور میری نظر سے گذر چکی ہیں،

مرزا خرم بخت اور ان کے بھائی مرزا اعلی قدر کا مکان شیوالہ میں ہے، ان کے چھوٹے بھائی مرزا بلاقی راج گھاٹ میں رہتے تھے، اور وہیں ان کے مکانات کھنڈر

کی صورت میں ہیں، مرزا بلاقی بھی فاطمان ہی میں مدفون ہیں اور ان کی قبر پر یہ کتبہ لگا ہوا ہے:

شد بہ صدق بولاقی مرزا	کہ بجز تخم نکوئی نکشت
زدم زندگیش تا لب مرگ	نشدی صادر از و فعل زشت
کس و ناکس ہمہ را در ہمہ عمر	ز کرم خوان کرم بہ فرست
روح پاکش سفر خلد گزید	رفت و بر خاک تن خاکی ہشت
خواستم سال وفاتش عارف	ہاتفی گفت روان شد بہ بہشت
الا یا ساکن القصر المعلّٰی	ستدفن عن قریب فی التراب
لہ ملک ینادی کل یوم	لدوا للموت وابنوا للخراب

ہشتم محرم سنہ ۱۲۶۷ھ

۴۔ نواب علی ابراہیم خاں گورنر بنارس

سنہ ۱۲۰۱ھ مطابق سنہ ۱۷۸۶ء میں نواب علی ابراہیم خاں عظیم آبادی نے جو نواب ناظم بہار و بنگال کے سرکار کے متوسل تھے انتظامت کمزور ہونے کے لیے انگریزی حکومت کی ملازمت کرلی، اور لارڈ کارنوالس کے زمانے میں بنارس کے چیف مجسٹریٹ یا گورنر ہو گئے، اور بنارس ہی میں سنہ ۱۸۰۳ء میں ان کا انتقال ہو گیا، اور فاطمان میں مدفون ہوئے، نواب صاحب کے مکانات آج بھی موجود ہیں،

نواب کی ڈیوڑھی ان ہی کے نام سے موسوم ہے،

نواب علی ابراہیم خاں نے اپنے زمانے میں سنہ ۱۱۹۸ھ میں مسجد دھرہرہ کی مرمت کرائی، اور عمارت میں ترمیم کی، اور ایک کتبہ مسجد کے اندر نصب کیا،

نواب صاحب بڑے علم دوست تھے بنارس کے زمانہ قیام میں بہت سی کتابیں تصنیف کیں، جن میں "تذکرہ شعراء" وقائع جنگ مرہٹہ، خلاصۃ الکلام، گلزار ابراہیم زیادہ مشہور ہیں، ان کے انتقال کے بعد مرزا علی لطیف نے تذکرہ شعراء کے بعض

اجزا کا اردو ترجمہ کر کے گلشن ہند کے نام سے شائع کیا، لیکن ایک مدت تک یہ ترجمہ کمیاب رہا۔ بالآخر حیدرآباد دکن کی سنہ ۱۳۲۳ھ کی شدید طغیانی کے زمانے میں اس کا ایک بوسیدہ نسخہ مولوی عبداللہ خاں مرحوم کو دستیاب ہوا اور انھوں نے مولوی عبدالحق صاحب بی اے (انجمن ترقی اردو والے) سے ایک تفصیلی دیباچہ لکھوا کر سنہ ۱۹۰۶ء میں مطبع رفاہ عام لاہور سے شائع کیا۔ — خلاصۃ الکلام فارسی گو شعرا کا ایک تذکرہ ہے جس میں ۱۸۷ مثنویات کا انتخاب ہے۔ اس کو نواب صاحب نے سنہ ۱۱۹۸ھ میں مکمل کر لیا ہے — وقائع جنگ مرہٹہ: یہ کتاب لارڈ کارنوالس کے زمانے میں سنہ ۱۲۰۱ھ میں بنارس کے زمانہ قیام میں مرتب کی، خاتمہ میں یہ عبارت تحریر ہے:-

"الحمد للہ والشکر کہ بسال ہزار و دو صد و یک ہجری در بلدۂ بنارس صورت ارقام یافت، امید کہ پسند طبع پسندیدگان و مقبول عام و خاص گردد"

۵۔ قاضی القضاۃ مولوی واصل علی خاں

سنہ ۱۲۰۵ھ مطابق سنہ ۱۷۹۰ء میں قاضی القضاۃ مولوی واصل علی خاں دوبارہ بنارس میں آئے اور محلہ گوکرن میں قیام پذیر ہوئے، اور اکثر لوگوں نے عہدۂ قضا کی سند لی۔ اب محلہ گوکرن کو قاضی پورہ کلاں کہا جاتا ہے۔ گوکرن کوئی نہیں کہتا۔

۶۔ ہنگامہ لاٹ بھیرو

سنہ ۱۲۲۴ھ مطابق سنہ ۱۸۰۹ء میں بنارس میں ایک بڑا تاریخی ہنگامہ ہوا جو بلوہ لاٹ بھیرو کے نام سے عوام میں آج بھی مشہور ہے — اس کا مختصر قصہ یہ ہے کہ عالمگیر بادشاہ کی تعمیر کردہ مسجد کے قریب متصل امام باڑہ کلاں ایک پتھر کا ستون قائم تھا جس کو لاٹ بھیرو کہتے ہیں۔ مسلمان اس کو چوب گھڑی سمجھتے تھے، اس کے متصل ہی اذان و جماعت کا انتظام کر دیا، اور ہندو اس کو متبرک سمجھ کر وہاں پوجا کرتے تھے۔ چنانچہ فریقین میں

سخت لڑائی ہوئی اور مطابق اشتہار فوجداری بنارس ۷ ارمئی ۱۸۱۰ء نمبر ۱۵۵۸ صاحب مجسٹریٹ بہادر تصفیہ ہوا ۔

لاٹ بھیرو کی تاریخ کی نظر میں کوئی وقعت نہیں ہے ۔ صرف فرضی قصے اور سنی سنائی روایات ہیں ۔ تاریخ کی کسی کتاب میں بھی اس کی کوئی سند نہیں ہے ۔ یہاں تک کہ ہندوؤں کی قدیم اور تاریخی کتاب کاشی کھنڈ بھی اس کے ذکر سے خالی ہے ۔ ہندوؤں کا زبانی بیان یہ ہے کہ صدیوں سے ایک مورتی کپال بھیرو اور تالاب موسومہ کپال موچن وجود پذیر ہیں ۔ لیکن اس کی کوئی سند نہیں ہے ۔

لاٹ کے نام سے جو ستون ہے وہ عیدگاہ کے بیچ میں واقع ہے ، اور چاروں طرف مسجد کا صحن ہے ، یہ پہلے ۔۴ فٹ بلند تھا اور اس پر کتبہ لگا ہوا تھا جیسا کہ بعض انگریز سیاحوں نے اس کی تصدیق کی ہے ۔

لیکن یہ واقعہ ہے کہ یہ عیدگاہ کسی مندر کی جگہ تعمیر نہیں ہوئی ، اور نہ کسی مسلمان بادشاہ سے اس کی توقع کی جا سکتی تھی ، اس جگہ اسلامی آثار کی جو کثرت ہے اس سے یہ قیاس آرائی تقریباً ناممکن ہے ، اور جا بجا قدیم مسجدیں اور گورغریباں ہیں جن سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ یہ اہل اسلام کا قدیمی ورثہ ہے جہاں صدیوں سے ان کی ہڈیاں دفن ہیں ، عیدگاہ سے نیچے تالاب کے مغربی حصے میں ایک زمانے کا ایک کتبہ ایک قناتی مسجد کی محراب میں لگا ہوا ہے ، وہ یہ ہے :-

افتادہ ہمچو کاروانے اینجاست | آسودہ ز کشمکش جہانے اینجاست
یعنی ز جہاں گم کردہ اینجا جز ے | کز عالم بے نشاں نشانے اینجاست

موجودہ عیدگاہ کی تعمیر ۱۲۵۹ھ میں ہوئی ، محراب میں یہ کتبہ لگا ہوا ہے :-

" در یک ہزار و دو صد و پنجاہ و نہ استحکام و وسعت یافت "

۱۳۱۰ھ مطابق ۱۸۹۲ء میں سردار رحمت اللہ صاحب مرحوم متولی مسجد ہذا

نے فرش مسجد کو وسیع کرنے کی غرض سے آراضی کا ایک جزو حاصل کیا جسکا یہ جوٹ اب تک ملتا ہے، ہندوؤں کو اقرارنامہ کی رو سے اب تک پوجاپاٹ کی اجازت ہے، اور لاٹ کی حدود کے اندر جاکر اپنے مذہبی فرائض انجام دیتے ہیں الیلا کے موقع پر اس اقرارنامہ کے رو سے جو سردار عبدالستار صاحب مرحوم اور مہنت نرسنگھ داس کے درمیان ۱۶ دسمبر ۱۹۳ء میں ہوا رسوم ادا کیجاتی ہیں، ان کی تفصیل رپورٹ ایڈیشنل سب جج دویم لعدالت بنارس ۱۹۳ء میں ہے،

۷ - بلوہ ٹیکس

۱۲۲۶ھ مطابق ۱۸۱۱ء میں بلوہ ٹیکس ہوا، واقعہ یہ ہے کہ بنارس میں انگریزی حکومت ٹیکس جاری کرنا چاہتی ہے، ہندو اور مسلمانوں نے متفقہ طور سے اس کے خلاف اقدام کیا، جس کے نتیجے میں سخت ہنگامہ ہوا، آخر راجہ اودت سنگھ بہادر کے ذریعہ اور کوشش سے تصفیہ ہوا، اور بابو شیو نرائن پسر بابو اودسان سنگھ کو اس کے صلہ میں گورنمنٹ سے خلعت ملی،

۸ - کوتوالی کی مسجد چاندنی چوک

اسی سنہ میں جناب مرزا کریم اللہ بیگ رئیس بنارس مدارالمہام جونپور نے ایک پختہ اور سنگین مسجد بنوائی، جو چاندنی چوک میں کوتوالی کی مسجد کے نام سے مشہور ہے، محراب میں یہ کتبہ لگا ہوا ہے،

چوں کریم اللہ از حسن یقیں	کرد مسجد را بطرز نو بنا
آفریں صد مرحبا بر ہمتش	بے تامل گفت ہر مرد خدا
خامہ راقم شد زرد اعتقاد	خانۂ حق است تاریخ بنا

۱۲۲۶ھ

۹۔ جارج چہارم کی تخت نشینی

سنہ ۱۲۴۳ھ مطابق سنہ ۱۸۲۰ء میں جارج سوم کا انتقال ہوا، اور ان کے لڑکے جارج چہارم قائم مقام ہوئے۔

۱۰۔ انگریزی سکوں کا رواج

سنہ ۱۲۴۸ھ مطابق سنہ ۱۸۳۲ء میں ولیم شاہ انگلستان کا سکہ ہندوستان میں رائج ہوا۔

۱۲۔ مسجد تلوچن بازار

سنہ ۱۲۴۹ھ مطابق سنہ ۱۸۳۳ء میں تلوچن بازار کے ایک مشہور رئیس وضو بخش نے دریا کے کنارے بلندی پر تلوچن گھاٹ میں ایک مسجد تعمیر کرائی، محراب میں یہ تاریخ کندہ ہے:۔

شد تعمیر مسجد بر لب گنگ — بجد شیخ وضو بخش مجرد

سن بنیاد او خوش گفت ہاتف — معابد خانہ حق باسنہ جرد

اسکے بعد سنہ ۱۲۵۳ھ میں اسی کے قریب تلوچن بازار کی سڑک پر دوسری مسجد بنوائی، محراب میں یہ کندہ ہے:

معاہمت دلنو و بخشو — بدل این مسجد محکم بہ بنیاد نمود

ہاندم از سر الہام ہاتف — نظر کہ بار بخشو عیان ساختہ

۱۲۵۳ھ

۱۳۔ اردو تحریر کا رواج

سنہ ۱۲۵۲ھ مطابق سنہ ۱۸۳۶ء میں دفتر کلکٹری سے فارسی تحریر موقوف کر دی گئی اور اردو تحریر کا رواج ہوا۔

۱۴۔ ولیم چہارم شاہ انگلستان کی وفات

سنہ ۱۲۵۳ھ مطابق سنہ ۱۸۳۷ء میں ۲۰ جون کو ولیم چہارم شاہ انگلستان کی وفات

ہوئی اور ان کی بھتیجی کوئن وکٹوریہ فرمانروائے انگلستان و ہندوستان ہوئیں ۔

۱۵ - بلوہ پنسیری

سنہ ۱۲۵۸ھ مطابق سنہ ۱۸۴۲ء میں بلوہ پنسیری ہوا ، بنارس کے مختلف بازاروں میں مختلف اوزان رائج تھے ، حاکم کے اس اعلان سے کہ وزن ایک رہے ، بلوہ فرو ہوا ۔

۱۶ - مسجد اورنگ آباد

سنہ ۱۲۶۵ھ مطابق سنہ ۱۸۴۹ء میں شیخ خدا بخش نامی سوداگر نے اورنگ آباد میں ایک شاندار مسجد تعمیر کرائی ۔

۱۷ - بلیہ کا دھماکہ

سنہ ۱۲۶۶ھ مطابق سنہ ۱۸۵۰ء میں ایک خطرناک واقعہ پیش آیا ، جو عوام میں بلیہ کے نام سے مشہور ہے جس کا واقعہ یہ ہوا کہ سرکاری کشتیوں پر ایک میگزین راج گھاٹ آیا ، اتفاقاً بارود کا ایک پیپا رات کو کسی طرح اڑ گیا ، جس سے زمین کو اتنا سخت صدمہ ہوا کہ زلزلہ پیدا ہوا ، کنارے کے بہت سے مکانات منہدم ہو گئے ، اور مرزا بابا قی صاحب کا مکان بھی اسی صدمے سے منہدم ہو گیا ، اس کا اثر کئی کوس تک رہا ، ایک میل کا علاقہ اور چوہٹہ لال خاں کی عمارتیں بھی منہدم ہو گئیں جہاں پہلے شہر کا مرکزی بازار تھا ، اور بنارس سے بارہ کوس کے فاصلے پر چنار گڑھ کی عمارتوں کے شیشے گر کر ٹوٹ گئے ۔

۱۸ - قیدیوں کا بلوہ

سنہ ۱۲۶۸ھ مطابق سنہ ۱۸۵۲ء کو بنارس ڈسٹرکٹ جیل کے قیدیوں میں سخت بلوہ ہوا ، جس کا واقعہ یہ ہوا کہ چند مفسدین نے مشورہ کیا کہ ہندو اور مسلمان قیدی جو اپنے

ہاتھ سے کھاتے اور لکاتے تھے، اب ایک جگہ بیٹھ کر کھانے لگے، جو بیس سکے ادھر ادھر بکھر جائیں گے، انہیں کے نتیجے میں جو کہ گھاٹ ، اناج ، کمی اور بلوہ کی صورت ہوگئی ، مگر بابو دیو نرائن سنگھ کی تدبیر و حسن کارگذاری سے بلوہ فرو ہوا ، اور اسکے صلے میں راجہ کا خطاب ملا ،

۱۹ ۔ زرافہ جانور

سنہ ۱۲۶۹ھ مطابق سنہ ۱۸۵۳ء میں ایک عجیب الخلقت جانور زرافہ مہاراجہ بنارس کے یہاں آیا ، اور کمچھا کے باغ میں رکھا گیا ، یہ جانور افریقہ میں ہوتا ہے ، گردن اونٹ کی طرح ، سُم بیل کی طرح ، اور رنگ ہرن جیسا ہوتا ہے ،

۲۰ ۔ کوئنس کالج

سنہ ۱۲۶۹ھ مطابق سنہ ۱۸۵۶ء میں گاتھک طرز کی ایک خوبصورت اور بڑی شاندار کوئنس کالج کی تعمیر ہوئی ، اور صرف گورنمنٹ کا خرچ ۱۳۶۹۰ پونڈ ہوا ، یورپین اور ہندو رؤسا کے چندے اس کے علاوہ ہیں ، جن کے ناموں کے کتبے لگے ہوئے ہیں ، برٹش گورنمنٹ نے اس سے زیادہ شاندار عمارت کوئی نہیں تیار کی ، یہ عمارت مسٹر کٹوئی مشہور ماہر فن تعمیر نے بنائی تھی ، بیچ کی برجی ۷۵ فٹ اونچی ہے ، صدر ہال ۶۰ × ۳۰ فٹ اور ۳۲ فٹ اونچا ہے ۔ کالج کے شمال میں ایک وسیع کمپاؤنڈ ہے ، جس کے اندر سرخ پتھر کا ایک ستون ۳۱½ فٹ لمبا کھڑا ہے ، جو موضع بھلا دیو ضلع غازیپور سے منگا کر مسٹر ٹامسن گورنر ممالک مغربی و شمالی نے نصب کرایا ، یہ بڑا قدیم ہے اور اس پر قدیم زمانے کی ایک تحریر کندہ ہے ، اس کے نیچے مسٹر ٹامسن نے کتبہ بھی لگا دیا تھا ۔

”ایں ستون زمان قدیم در موضع بھلا دیو متعلقہ ضلع غازیپور بہم رسید ، بموجب حکم جناب مستطاب معلّی القاب نواب جیمس ٹامسن صاحب بہادر لفٹنٹ گورنر ممالک مغربی و شمالی و نیز اعانت اخراجات باربرداری از طرف جناب ممدوح

لیسی جناب ولیم کا مزاہ ہملٹن صاحب لفٹننٹ سکنڈ فیوزیلیرس سنہ ۱۸۵۳ء
بمقام بنارس رسید و حسب الارشاد گورنمنٹ ٹیکفس صاحب لفٹننٹ بنگال
انجنیئرس در ماہ مئی سنہ ۱۸۵۴ء برپا گردید

اب جمہوری حکومت نے اس کالج کی حیثیت بدل کر سنسکرت یونیورسٹی کر دی ہے، اور بہت سی عمارتیں اور ہوسٹل تعمیر ہو چکے ہیں،

۲۱ - مرزا رجب علی بیگ سرور

۲۶ ر ذیقعدہ سنہ ۱۲۸۴ھ مطابق سنہ ۱۸۶۹ء میں مرزا رجب علی بیگ سرور ایک باکمال ادیب اور مایہ ناز شاعر جو غازی الدین حیدر والی لکھنؤ کے وقت میں تھے واجد علی شاہ کے آخری وقت میں تھے، مہاراجہ الشری پرشاد نرائن سنگھ بہادر کاشی نریش والی بنارس نے انھیں اپنا خاص شقہ بھیج کر بنارس طلب کیا، چنانچہ سرور بنارس آ گئے، اور مہاراجہ بنارس نے بے انتہا قدر کی، اور سرور نے اپنی زندگی کے بقیہ آٹھ سال وہیں گذار دئیے، اور بنارس میں ان کی دو عظیم الشان تصنیفیں وجود میں آئیں گلزار سرور اور شبستان سرور پہلی کتاب مہاراجہ بنارس کی پہلی فرمائش تھی جو حدائق العشاق کا ترجمہ ہے، اور مرزا غالب نے اس پر بڑی پرزور تقریظ لکھی ہے، سرور کو بنارس ہی مہاراجہ پٹیالہ نے سونے کے جوڑے عطا کئے، جبکہ مہاراجہ بنارس کے مہمان تھے، سرور نے تقریباً ۸۰ سال کی عمر پاکر بنارس میں سنہ ۱۲۸۶ھ میں وفات پائی، فاطمان کے باہری دروازے کے قبرستان میں ان کا مزار ہے، اور اس کے قریب ہی ملا باقر مجلسی کے پوتے کا بھی مزار ہے،

۲۲ - نواب سکندر بیگم صاحبہ والیہ بھوپال

سنہ ۱۲۹۳ھ مطابق سنہ ۱۸۷۶ء میں نواب سکندر بیگم صاحبہ والیہ بھوپال کسی خاص غرض سے

سے بنارس تشریف لائیں۔ مہاراجہ بنارس نے ان کی خدمت میں چند اشعار لکھ کر بطور تحفہ بھیجے۔ ۲۱ نومبر ۱۸۶۱ء کو مہاراجہ بنارس نے ان کے خیمے میں ملاقات کی، اور اس کے دوسرے دن بیگم صاحبہ مہاراجہ کی کوٹھی میں آئیں۔ کرنیل جان ابی اسپرنس بہادر سی پی پولیٹیکل ایجنٹ بھوپال اور نواب صدیق حسن خاں صاحب بہادر و محمد جلال الدین مدارالمہام وغیرہ ساتھ آئے تھے۔

۴۳۔ سر سید احمد خاں

۱۲۸۳ھ مطابق ۱۸۶۷ء میں سر سید احمد خاں کی تبدیلی بنارس میں ہو گئی۔ اور یہاں پر سر سید نے بہت سے رفاہ عام کے کام کئے۔ بنارس میں انھیں یہ خیال ہوا کہ ہومیوپیتھک طریقہ علاج سے کوئی طریقہ بہتر نہیں ہے۔ چنانچہ ۱۸۶۷ء میں انھوں نے بنارس میں اس کیلئے ایک کمیٹی بنائی اور اسی سال ایک شفاخانہ بنام "ہومیو ڈسپنسری اینڈ ہاسپٹل" کھولا جو اسی کمیٹی کے ماتحت تھا۔ اس کے پریزیڈنٹ مہاراجہ بنارس تھا اور سکریٹری خود سر سید تھے۔ اس شفاخانہ کی شہرت چند ہی دنوں میں دور و نزدیک تک ہو گیا۔ پہلے ہی مہینے میں ۱۶۱۵ مریض آئے۔ سر سید نے اس کے اصول علاج پر ایک لکچر بھی دیا۔ اور ایک رسالہ بھی لکھ کر شائع کیا ـــــ اسی سن میں بنارس کے چند سربرآوردہ ہندوؤں کو یہ خیال پیدا ہوا کہ جہاں تک ممکن ہو سرکاری عدالتوں سے اردو زبان اور فارسی خط موقوف ہو جائے۔ اور اس کی جگہ بھاشا زبان جاری ہو جو دیوناگری میں لکھی جائے۔ چنانچہ اس کام کیلئے ہندوؤں نے کمیٹیاں اور سبھائیں بنائیں اور گورنمنٹ کو میموریل بھیجے۔ سر سید کہتے تھے کہ یہ پہلا موقع تھا جب مجھے یقین ہو گیا کہ اب ہندو اور مسلمان کا بطور ایک قوم کے ساتھ چلنا اور دونوں کو ملا کر دونوں کیلئے ساتھ ساتھ کوشش کرنا محال ہے۔ سر سید نے اردو کی حمایت میں سعی کی لیکن اس وقت ہندوؤں کے مخالفوں میں تدبیریں کارگر نہ ہو سکیں۔

۱۸۸۲ء میں ہندوؤں نے ایجوکیشن کمیشن کو میموریل بھیجے۔ سر سید نے باوجود

طریقے سے کمیشن پر ظاہر کر دیا کہ یہ مسئلہ تعلیمی نہیں ہے، بلکہ بہت بڑا پولیٹکل مسئلہ ہے
جس کے ساتھ گورنمنٹ کے ملکی مصالح وابستہ ہیں اس کی بحث ایجوکیشن کمیشن سے
کچھ علاقہ نہیں رکھتی۔ انہوں نے سر انٹونی میکڈانل لفٹنٹ گورنر کی خدمت میں ایک
میموریل اردو کی مخالفت اور ہندی کی موافقت میں پیش کیا اگرچہ سر سید اس
زمانے میں ہجوم اور رنج والم کے سبب (جس کا سب سے بڑا سبب ان کے بڑے
بیٹے سید حامد کی علالت اور سوء مزاج تھا) ایک سکتہ کا عالم تھا گروہ بالکل نقش بر
دیوار بن گئے تھے۔ مگر اسی حالت میں انہوں نے ایک مضمون لکھا جو ۱۹ مارچ کے انسٹی
ٹیوٹ گزٹ میں سر سید کی وفات سے ۹ دن پہلے شائع ہوا، اس کے بعد انہوں نے
میموریل کے خلاف اردو زبان اور فارسی خط کی ترجیح پر دلیلیں دیں، لیکن اس
وقت سر انٹونی میکڈانل کی زبان میں کسی تبدیلی کی ضرورت نہیں سمجھی لیکن
سر سید کے انتقال کے بعد ۱۸ اپریل سنہ ۱۹۰۰ء میں وہ مشہور ریزولیوشن پاس ہوا
جس میں عدالت کی زبان بجائے ہندی یا اردو کے انگریزی رکھی گئی۔

سر سید جس سال بنارس آئے تھے اسی سال وہ اپنے دونوں لڑکوں
سید محمود کو لیکر ولایت چلے گئے تھے تیسرے سال یعنی سنہ ۱۲۸۷ھ مطابق سنہ ۱۸۷۰ء
میں ہندوستان واپس ہوئے۔ لندن کے سفر ہی میں انہوں نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ
علیہ وسلم کی سوانح عمری لکھی جس میں یہ ثابت کیا کہ اسلام تلوار کے زور سے نہیں
انگریزی کا مشہور مصنف کارلائل اس وقت سر سید سے مذہبی مباحثے کرتا تھا
لندن سے واپسی کے بعد بنارس ہی سے ان کا مشہور اخبار تہذیب الاخلاق
پہلی بار سنہ ۱۸۷۰ء (۱۲۸۶ھ) سے لیکر سنہ ۱۸۷۶ء (۱۲۹۲ھ) تک جاری رہا، دوسری بار سنہ ۱۸۷۹ء (۱۲۹۶ھ) سے لیکر
۱۸۸۱ء (۱۲۹۹ھ) تک اور تیسری بار سنہ ۱۸۹۴ء (۱۳۱۱ھ) سے لیکر ۱۸۹۷ء (۱۳۱۴ھ) تک شائع ہوتا رہا۔
سر سید نے تہذیب الاخلاق کے ساتھ ہی ۲۶ دسمبر سنہ ۱۸۷۰ء کو بنارس میں

کمیٹی خواستگار ترقی تعلیم مسلمانان" قائم کی، اس کے مقاصد کا اعلان پہلے ہی سے اشتہار و اخبار کے ذریعہ کرا دیا تھا اور اس کیلئے مضامین نگاری کرائی گئی، چنانچہ اعلان کرایا گیا اور انعام دینے کا وعدہ کیا گیا، اس سلسلے کا پہلا انعام مولوی سید اشرف علی ایم، اے کو ملا، جو اس زمانے میں بنارس کالج کے طالب علم تھے،

سر سید کے وقت میں بنارس کا صحافتی مقام بہت اونچا ہو گیا تھا، اس سلسلے میں بنارس کی یہ خصوصیت قابل ذکر ہے کہ یو پی میں ہندؤں کا پہلا اخبار ۱۸۴۵ء میں بنارس سے شائع ہوا، اس کا نام سدھاکر اخبار تھا، اسکے اڈیٹر تارا موہن مترا تھے،

اس کے علاوہ غدر ۱۸۵۷ء سے تقریباً ۲۵ سال پہلے گووند رگھوناتھ کی ادارت میں بنارس اخبار" اردو میں نکلتا رہا، اس اخبار کو مہاراجہ نیپال سے مدد ملتی تھی، پھر ۱۸۵۳ء میں باغ و بہار" کے نام سے مہاراجہ بنارس کی سرپرستی میں ہندؤں کا دوسرا اردو اخبار نکلا، پھر ۱۸۵۶ء میں آفتاب ہند کے نام سے تیسرا اخبار نکلا، اسکے اڈیٹر بابو گووند رگھوناتھ تھے

اس کے بعد ہندؤں کے مختلف اخبارات نکلتے اور بند ہوتے رہے، لیکن سر سید کا تہذیب الاخلاق کافی دنوں تک رہا، ابتدا میں سر سید نے "مسلمان سوشل رفارمر" کے نام سے بھی ایک اخبار بنارس ہی سے جاری کیا تھا، جس کا مقصد مسلمانوں کو بیدار کرنا اور تعلیم و روزی کے متعلق ان کو ہوشیار کرنا،

۲۴- ڈیوک الفریڈ پسر ملکہ وکٹوریہ

۱۲۸۶ھ مطابق ۱۸۷۰ء میں ۱۷ جنوری کو ڈیوک الفریڈ پسر ملکہ وکٹوریہ مع لارڈ میو بہ سیاحت ہند بنارس آئے، جن کے استقبال میں بہت چراغاں کیا گیا،

۲۵- سید تراب علی خاں بہادر سپہ سالار

اسی سنہ میں نواب شجاع الدولہ مختار الملک سید تراب علی خاں بہادر سپہ سالار نائب سلطنت حیدر آباد دکن بنارس آئے،

۲۶۔ جنگلی شیر کا واقعہ

سنہ ۱۲۸۷ھ مطابق سنہ ۱۸۷۱ء کو ایک جنگلی شیر رات کے وقت جنگل کی طرف سے شہر میں داخل ہوا، اسکے مارنے کی تدبیریں کی گئیں جس کے نتیجے میں اکثر اشخاص زخمی ہوگئے، آخرکار ایک پستول سے مارا گیا،

۲۷۔ پرنس آف ویلز کی صحت پر بنارس میں جشن

سنہ ۱۲۸۸ھ مطابق سنہ ۱۸۷۲ء میں ۲۷ فروری یوم دوشنبہ بوقت صبح باہتمام سید احمد خاں بہادر نجم الدولہ جج بنارس و سید علی حسن صاحب تحصیلدار کے اہتمام سے کثیر تعداد میں مسلمانوں نے جمع ہو کر اس بات کی خوشی منائی کہ وکٹوریہ کے لڑکے سرز الکی ایمس پرنس آف ویلز کو صحت ہوئی تھی، اور شام کو ہندؤں نے اپنی عبادت گاہوں میں خوشیاں منائیں

۲۸۔ شدید سیلاب اور وبا

سنہ ۱۲۹۲ھ مطابق سنہ ۱۸۷۵ء میں تارنی اور گرہن کے موقع پر اسی کثرت سے آدمی آئے کہ وبا پھیل گئی، اور کثرت سے لوگ مرے، اور اس سال دریا میں اسقدر سیلاب آیا کہ دھا سمیدھ، کودئی کی چوکی، نواب گنج وغیرہ میں لوگ کشتیوں سے آتے جاتے تھے

۲۹۔ سرکاری ہسپتال

سنہ ۱۲۹۳ھ مطابق سنہ ۱۸۷۶ء ۵ جنوری کو ایچ، آر، اے، ایس پرنس آف ویلز ولی عہد انگلستان، ہندوستان کا سفر کرتے ہوئے بنارس آئے اور ہسپتال کی بنیاد رکھی،

۳۰۔ جلسہ تہنیت و دربار عام

اسی سن میں کوئن وکٹوریہ نے اپنا لقب قیصرۂ ہند و شہنشاہ رکھا، اور اسکی تہنیت

میں بنارس میں ایک جلسہ ہوا، اور گورنر جنرل وائسرائے ہند نے دہلی میں دربار عام کیا

۴۱۔ ہسپتال کا اجراء

۱۲۹۷ھ مطابق ۱۸۸۱ء میں لارڈ رپن وائسرائے گورنر جنرل بہادر نے بنارس ایک ہسپتال موسومہ پرنس آف ویلز کو جاری کیا جسکی بنیاد ۱۸۷۶ء میں پڑی تھی،

۴۲۔ جارج پنجم والی ہند کی بنارس میں آمد

۱۳۲۰ھ مطابق ۱۹۰۲ء ۱۲ر فروری کو جارج پنجم والی ہند بنارس آئے، اور رئیس القوم مولانا الحاج خلیل الرحمٰن صاحب کے مکان واقع للی باغ اور سردار رحمت اللہ صاحب کے مکان واقع کشمیری گنج پر آئے، ان دونوں حضرات کو خانصاحب کا شاہی لقب ملا، جسکی تہنیت میں ۱۲ر رجب ۱۳۲۰ھ مطابق ۲۱ فروری ۱۹۰۲ء کو کوئنس کالج میں جلسہ ہوا،

۴۳۔ مہاراجہ بنارس کو اختیارات ریاست کی سپردگی

۱۹۱۱ء میں مہاراجہ ریاست بنارس سر پربھو نرائن سنگھ جی سی آئی ای کو گورنمنٹ نے ریاست کے تمام امور تفویض کئے، ریاست کا کل رقبہ ۸۷۵ میل، مردم شماری ۳۶۳۹۹۳ اور سالانہ آمدنی ۱۶ لاکھ ۸۰ ہزار ہو گئی تھی،

۴۴۔ ندوۃ العلماء کا پہلا اجلاس اور علمی نمائش

۱۳۲۴ھ مطابق ۱۹۰۶ء ۱۴ر اپریل کو بنارس کے ٹاؤن ہال میں مولانا شبلی کے اہتمام سے ندوہ کا پہلا جلسہ منعقد ہوا، اور اس سلسلے میں ایک علمی نمائش بھی سجائی گئی جس میں ہندوستان کے قدیم ترین تحریری سرمائے اور شاہی فرامین سجائے گئے، شہر کے انگریزی

حکام بڑے شوق سے اس میں شریک ہوئے، خصوصاً صاحب کمشنر ایک ایک چیز کو نہایت غور سے دیکھتے جاتے تھے، علماء و فضلاء بھی دور دراز سے آئے ہوئے تھے، ان کو اگرچہ فرامین وغیرہ سے دلچسپی نہیں تھی، لیکن فن حدیث کی جو نادر کتابیں مہیا کی گئی تھیں، ان میں سے بعض صحیح بخاری سے بھی پہلے کی تصنیف تھیں، ان کو خواہ مخواہ اپنی طرف مائل کرتی تھیں، مشہور خطاطوں کے نمونے، نادر کتابیں، مصنفین کے ہاتھ کے مسودات، سلاطین و امراء کی تحریریں، فرامین و احکام شاہی کثرت سے فراہم کئے گئے تھے، بعض فرامین جو ہندی زبان میں تھے وہ نیز و تیرہ سو سال پرانے تھے، اسلامی زمانہ کے فرامین تغلق سے لیکر احمد شاہ پسر محمد شاہ کے زمانہ تک تھے، ان فرامین کو دیکھنے سے اسلامی تہذیب اور تمدن کا صحیح اندازہ ہوتا تھا، ان کا کاغذ، سیاہی، شان خط، حسن تحریر دیکھنے کے قابل تھی، چھ چھ سو برس گذر جانے کے بعد بھی کاغذ اپنی حالت میں قائم تھے، سیاہی کا یہ حال تھا کہ لکھنے والا گویا ابھی لکھ کر اٹھا ہے، اس نمائش کی مفصل کیفیت مقالات شبلی جلد ۷ میں ملاحظہ فرمائیں۔

۳۵۔ بنارس ہندو یونیورسٹی کی بنیاد

۱۳۳۵ھ مطابق ۱۹۱۶ء میں ۴؍ فروری کو وائسرائے بنارس آئے اور بنارس ہندو یونیورسٹی کی بنیاد رکھی،

خاتمہ

انگریزوں کے دور حکومت کے اہم واقعات تحریر کر دئے گئے، اس کے بعد بنارس کا کوئی ایسا واقعہ قابل ذکر نظر نہیں آتا، البتہ بنارس کی تاریخی عمارتیں جن کا اکثر و بیشتر تذکرہ بقدر تلاش کر دیا گیا ہے، یہ ایک اہمیت رکھتی ہیں، اور ان میں زیادہ تر مسلمانوں ہی کے آثار نمایاں ہیں، بے انصافی ہوگی اگر اس کتاب میں ہندوؤں کی ان مندروں کا تذکرہ نہ کیا جائے جن کے باعث بنارس اہل ہنود کی نظر میں متبرک شہر ہے، ان نئے اضافہ کے صفحات میں ان کا بھی تذکرہ کیا جا رہا ہے، بنارس کے مشائخ اور حضرات اولیاء کرام کا تذکرہ اس کی دوسری جلد مشائخ بنارس میں ملاحظہ فرمائیے۔

بنارس میں ہندوؤں کی اہم عبادت گاہیں

بنارس کی پوری تاریخ تین حصوں میں منقسم ہوتی ہے ۔

۱۔ آریوں کا ابتدائی دورِ حکومت اس کے بعد بدھوں کی ہمہ گیر حکومت کا زمانہ ۔

۲۔ ہندوؤں کا طویل عہدِ حکومت ۔

۳۔ مسلمانوں کا نو سو سالہ دورِ حکومت ۔

ان تینوں عہدِ حکومت کی تاریخ اس کتاب میں تفصیل سے آگئی ہے ۔ انگریزوں کے عہدِ حکومت کا زمانہ تقریباً دو سو برس ہے ، اس لئے اس کے واقعات جستہ جستہ آگئے ہیں ۔ لیکن مذکورہ بالا تینوں دورِ حکومت میں مسلمانوں کا عہد زیادہ نمایاں ہے اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ اس دورِ حکومت کے واقعات اور حالات کا بہت بڑا تحریری سرمایہ موجود ہے ۔ باقی سلطنتوں کے واقعات کا سرمایہ زیادہ تر زبانی روایات ہیں ۔

لیکن پھر بھی ہندوؤں کے دورِ حکومت کی بہت سی یادگاریں آج بھی زندۂ جاوید ہیں ، جن کی بنا پر یہ ہر دور میں ہندوؤں کی نظر میں بڑا متبرک اور مقدس مقام ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ یہاں ہر دور میں غیر ملکی سیاح آتے رہے ، اور مختلف انداز سے اس کے چرچے ہوتے رہے ۔ مرزا غالب نے یہاں کے بتوں اور عبادت گاہوں کیلئے بڑے فخر سے کہا تھا ۔

عبادت خانۂ ناقوسیان است — ہمانا کعبۂ ہندوستان است

یہاں تک تو غنیمت تھا کہ غالب نے بنارس کو ہندوستان کا کعبہ سمجھا لیکن ایک ایرانی سیاح الحاج زین العابدین شروانی آج سے تقریباً ۲۵۰ سال قبل جب بنارس آئے تو انھوں نے اپنے سفرنامہ "بستان السیاحہ" میں بنارس کا ذکر اس طرح کیا ہے ۔

شہریست خلد قرین و مدینہ ایست دل نشین از	بنارس ایک شہر ہے جو خلد کے مانند اور دل نشین ہے ،
اقلیم دوم و ہوائش گرم و آبش از چاہ و بعضے	اقلیم دوم میں ہے ، وہاں کی ہوا گرم اور اس کا
از رود الحق مقام محمود است	پانی کنوئیں کا اور بعض نہر کا ، سچ یہ ہے کہ یہ مقام محمود ہے

بہرحال ہندوؤں کی زبان پر بنارس کی عظمت و تقدس کا بڑا چرچا ہے، ان کی بعض
اہم عبادت گاہوں کی تفصیل درج ذیل ہے،

یہ مندر شہر کے شمالی حصے میں ہے، اور روایات کے لحاظ سے بہت
۱۔ **ورِدھ کال کا مندر۔** قدیم ہے، اس سے شفائے امراض اور درازی عمر کی کرامات مشہور
ہیں، تعمیر کا صحیح زمانہ معلوم نہیں، لیکن بہت پرانا ہے،

اس مندر میں پیتل کی پلیٹوں پر ہیرے کی تین سوئیاں نصب ہیں، ان
۲۔ **برہما کا مندر۔** میں ہر سوئی بیس انچ لمبی ہے، اور شہد کی مکھی کے برابر موٹی ہے، اس کے
بارے میں یہ مشہور ہے کہ جب خدا نے دنیا بنائی تو سونے کی ۶۴ پلیٹیں ایک سوئی میں اس طرح پرو
دی ہیں کہ بڑی پلیٹ سب کے نیچے، اس سے چھوٹی اس کے اوپر اسی طرح تمام پلیٹیں رکھی
ہوئی ہیں، اور یہاں پجاریوں کی ہر وقت ڈیوٹی لگی رہتی ہے، وہ برہما کے قانون کے مطابق پلیٹیں
ایک سوئی سے دوسری میں منتقل ہوتی رہتی ہے، اور ایک وقت میں صرف ایک پلیٹ ہٹا سکتا ہے، جیسے
اور جب تمام پلیٹیں پھر اپنی اصلی حالت میں آجائیں گی، یعنی یہ کہ سب سے بڑی سب سے نیچے،
اس سے چھوٹی اس کے اوپر تو اس وقت مندر دھڑام سے زمین پر آرہے گا، اور ساری دنیا
تہس نہس ہو جائے گی،

یہ دوسرے مندروں کے مقابلے میں بڑا مقدس سمجھا جاتا ہے، جو
۳۔ **بشیشور کا مندر۔** شیو کے نام پر معنون کیا جاتا ہے، بنارس کا بڑا دیوتا بشیشور ہے،
بنارس کے تمام ہندو ہر سال ایک جم غفیر کے ساتھ پوجا کرتے ہیں، یہ مندر ۵۱ فٹ اونچا ہے،
زیادہ بڑا نہیں ہے، انگریزوں نے اس کا نام گولڈن ٹمپل (سونے کا مندر) رکھا ہے، کیونکہ اس
کے صحن کا بڑا گنبد اور چوٹی پر تانبے کا پتر سونے کا منڈھا ہوا ہے،

یہ بھی قدیم عمارتوں میں ہے، اس کے ساتھ ہی ایک قدیم رصدگاہ ہے جہاں
۴۔ **مان مندر۔** سورج اور چاند کی گردش کے حالات دیکھے جاتے تھے، اور قابل دید ہے،

امبیر کے راجہ جے سنگھ نے ۱۶۹۲ء میں یہ رصدگاہ تعمیر کرائی، مندر مہاراجہ مان سنگھ نے اکبر کے حکم سے تعمیر کرائی،

ان مندروں کے علاوہ انا پورنا ابھیرو ناتھ، اُدھ بیشیشور اور درگا مندر وغیرہ اہم سمجھے جاتے ہیں، اور بڑی بڑی روایات ان کی طرف منسوب ہیں،

مندروں کے ساتھ ساتھ گھاٹوں کو بڑی اہمیت حاصل ہے، اور سارے ہندوستان میں ان کی مثال نہیں ہے، یہ گھاٹ بڑے بڑے پتھروں سے بنے ہوئے ہیں اور ۵ میل کی لمبائی میں پھیلے ہوئے ہیں، ان پر مذہبی رسمیں ادا کیجاتی ہیں، چند گھاٹوں کی تفصیل یہ ہے:

۱- اسی سنگم - یہ گنگا اور اسی کے سنگم پر بنا ہے، اور شہر کے جنوبی سرے پر بنا ہے، یہاں سے دریا کے اس پار ریاست بنارس رام نگر کا شاندار اور وسیع قلعہ دکھائی دیتا ہے،

۲- وشا سو میدھ گھاٹ اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ برہما نے شیو کے ارشاد کے مطابق یہاں دس گھوڑوں کی قربانی کی تھی اس لئے یہ نام رکھا گیا "وشا" کے معنی دس اور "سو میدھ" کے معنی گھوڑے کے ہیں،

۳- منکرنیکا گھاٹ اس گھاٹ پر مردے جلائے جاتے ہیں اور ہر وقت آگ جلتی رہتی ہے،

۴- پنچ گنگا گھاٹ کہتے ہیں کہ یہاں پانچ دریا آکر ملے ہیں، دھن پتا، جوندا، کیرنا ندی اور سوتی گنگا اس لئے یہ نام پڑا،

۵- میر گھاٹ - میر رستم علی خاں حاکم بنارس نے محمد شاہ کے عہد میں یہ گھاٹ تعمیر کرایا، کیدار گھاٹ، راجہ ناگپور گھاٹ، سندھیا گھاٹ وغیرہ مشہور ہیں،

۶- گیان باپی - (عقل کی باؤلی) دیشیشور مندر کے اندر ہے، جہاں شیو کا آستھان بتایا جاتا ہے اور مقدس عبادت گاہ سمجھی جاتی ہے،

امرت کنڈ - جس کا پانی امراض کیلئے شفا اور کوڑھ کیلئے مفید بتایا جاتا ہے،

ناگ کنواں ۔ یہ بہت قدیم ہے اور شہر کے شمال مغرب میں واقع ہے، اس نام سے محلہ بھی مشہور ہے، یہاں ہر سال جاترا بھی ہوتی ہے، اور سانپ کے کاٹنے محفوظ رہنے کیلئے اس میں لوگ اشنان کرتے ہیں،

آبادی اور قومیں

بنارس کی موجودہ آبادی ۶ لاکھ سے متجاوز ہے، اور ۳۳ فیصدی مسلمان آباد ہیں، ہندوستان کی شاید ہی کوئی ایسی قوم ہو جو آباد نہ ہو، ورنہ قریب قریب ہندوستان کی تمام ہی قوم یہاں موجود ہیں، بنگالیوں کی اچھی خاصی تعداد بنگالی ٹولہ میں موجود ہے، پنجابیوں اور سندھیوں کی آبادی گلی گلی کوچے کوچے میں ہو گئی ہے، مارواڑی، گجراتی اور اسی شہر کے مختلف محلوں میں آباد ہیں، ہندو عام طور سے متمول اور خوشحال ہیں، مسلمانوں کی آبادی عام طور سے مدنپورہ، علوی پورہ چوک میں ہے، اور شہر کے چاروں طرف شہر پناہ کی طرح محافظ ہیں،

ریشمی کپڑوں کی صنعت یہاں کی بہت قدیم ہے، اور بنارس اس صنعت کیلئے دنیا بھر میں مشہور ہے، یہ صنعت بڑے عروج پر ہے، اور ہندو، مسلمان دونوں کا ذریعہ معاش ہے۔ بنارس کے بنے ہوئے پیتل کے برتن، پیتل اور پتھر کی بنی ہوئی مورتیاں، اور تمباکو بھی بہت مشہور ہے، ان کا سارا کاروبار ہندؤں کے ہاتھ میں ہے،

بنارس کے مضافات میں بہت سی طبی دوائیں پائی جاتی ہیں ۔۔۔ یہاں کی گلیاں اپنی مثال آپ ہیں، اکثر تنگ اور زیادہ تر سنگین ہیں، مکانات چار منزلوں سے ۶، ۷ منزلوں تک ہیں،

انگریزی دور کی چند اہم عمارتیں،

انگریزی دور کی عمارتوں میں سب سے بڑی اور شاندار عمارت، کوئنس کالج کی ہے ٹاؤن ہال، کمپنی گارڈن، راجہ برلا ماور، ہندو یونیورسٹی وغیرہ قابل دید جگہیں ہیں،

شہر کے ہوٹلوں میں کلارک ہوٹل اپنی مثال آپ ہے، یہ مال روڈ پر واقع ہے
اس کے پاس ہی ایک دوسرا ہوٹل ڈی پیرس بھی ہے یہ دونوں ہوٹل بڑے
ہی نستعلیق اور مہذب ہیں، اور تقریباً ۱۰۰ سال پرانے ہیں، یورپین سیاح
ان ہی ہوٹلوں میں آکر ٹھہرتے ہیں،

ریلوے لائنیں

بنارس میں ریلوے لائنوں کا جال بچھا ہوا ہے اور بڑی مرکزیت حاصل ہے،
اور پورا شہر سات بڑے ریلوے اسٹیشنوں پھیلا ہوا ہے،

۱- مغل سرائے ایسٹرن ریلوے کا بہت بڑا جنکشن ہے اب یہ میونسپل ایریا کے
اندر آگیا ہے اور ایشیا میں اتنا بڑا مرکزی ریلوے اسٹیشن کوئی نہیں ہے،

۲- کاشی یہ ریلوے اسٹیشن زیادہ بڑا نہیں ہے لیکن دوسرے اعتبار سے اس کو
اہمیت حاصل ہے یہ کاشی گنگا کے کنارے واقع ہے اور مغل سرائے سے گنگا کا ریلوے
پل اس کو ملاتا ہے، پہلے اس پر صرف ریلوے لائن گذرتی تھی اور انگریزوں کے دور میں
اس کا نام ڈفرن برج تھا لیکن ۱۹۶۸ء میں یہ دو منزلہ بن کر تیار ہوا ہے اور کافی چوڑا
کر دیا گیا ہے، اوپر سڑک ہے، جہاں سے سواریاں بسیں گذرتی ہیں اس کا نام اب
"مالوی برج" ہو گیا ہے، پل کی سات دریں ہیں اور ہر در ۱۰۳ فٹ چوڑی ہے،

۳- وارانسی (پہلے اس کا نام بنارس چھاؤنی تھا) بنارس کا بڑا ریلوے اسٹیشن یہ ہے اور چھوٹی
بڑی دونوں لائنوں کا مرکز ہے، چھوٹی لائن الہ آباد سے آکر بنارس سٹی ہوتی چھپرا، کٹیہار
اور گورکھپور کی طرف جاتی ہے، بڑی لائن مغل سرائے سے ہو کر یہاں سے پرتاپ گڈھ اور
فیض آباد، لکھنؤ کی طرف جاتی ہے،

۴- وارانسی شہر نارتھ ایسٹرن (چھوٹی لائن) کا خوبصورت اسٹیشن ہے، پہلے اس کا

نام بنارس سٹی تھا، لیکن علوی پورہ کے نام سے بہ زیادہ مشہور ہے اس لئے کہ اس اسٹیشن کے
قریب ہی علاقے میں علوی پورہ ہے، جہاں حضرت ملک افضل علوی شہید کا مقبرہ ہے ۔
۵ سیارناتھ چھوٹی لائن کا بنارس سٹی سے پہلے نیا اسٹیشن تعمیر ہوا ہے، اور بدھ مذہب کا
مقدس مذہبی مقام ہونے کی وجہ سے نئی عمارت بودھ تعمیرات کی آئینہ دار ہے ۔
میونسپل ایریا کی سرحدوں پر دو اسٹیشن شیو پور اور منڈواڈیہہ واقع ہیں اور
بڑے آباد ہیں ۔

صبح بنارس

ہندوستان بھر میں بہت زیادہ مشہور ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں ہر روز
۳ بجے سحر سے لیکر ۸ بجے دن تک اشنان کرنے والوں کا گنگا کے کنارے بہت بڑا ہجوم
رہتا ہے، گویا ہر روز ایک میلا لگا رہتا ہے، ہندوستان کے اور کسی شہر کی یہ خصوصیت نہیں
ہے، اس صبح بنارس سے متاثر ہو کر غالب نے بنارس میں جو قصیدہ لکھا تھا وہ اسی کتاب کے
شروع میں نقل کر دیا گیا ہے ۔

ختم شد

ہر قسم کے درد، چوٹ، موچ، زخم، سردی، زکام
بخار، انفلوئنزا وغیرہ کیلئے بیحد مفید ہے۔

بھارتی تیل